ماہنامہ

ہمدرد نونہال

نومبر ۲۰۱۵

اشاعت کا ۶۳ واں سال

یادگار : شہیدِ پاکستان حکیم محمد سعید

ماہ نامہ

ہمدرد نونہال

رکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی

شمارہ ۱۱ | جلد ۶۳

محرم الحرام - صفر المظفر
۱۴۳۷ ہجری

نومبر ۲۰۱۵ عیسوی

ٹیلے فون — 36620945 - 36620949
36616001 - 36616004
ایکسٹینشن — (066 ، 052 ، 054)
ٹیلے فیکس نمبر — (92-021) 36611755
ای میل — hfp@hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان — www.hamdardfoundation.org
ویب سائٹ ہمدرد لیبارٹریز (وقف) — www.hamdardlabswaqf.org
ویب سائٹ ادارۂ سعید — www.hakimsaid.info
فیس بک پیج — www.facebook.com/Hamdardfoundationpakistan

قیمت عام شمارہ
۳۵ رُپے

سالانہ (عام ڈاک سے)
۳۸۰ رُپے

سالانہ (رجسٹری سے)
۵۰۰ رُپے

سالانہ (دفتر سے وصول کرنے پر)
۳۴۰ رُپے

سالانہ (غیر ممالک سے)
۵۰ امریکی ڈالر

دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، ناظم آباد، کراچی ۷۴۶۰۰

"ڈاک خانے کے نئے قاعدوں کی وجہ سے آیندہ ہمدرد نونہال کی قیمت صرف بنک ڈرافٹ یا منی آرڈر کی صورت میں قابل قبول ہوگی، VPP بھیجنا ممکن نہیں ہے۔"

قرآنی آیات اور احادیث نبوی کا احترام ہم سب پر فرض ہے

سعدیہ راشد پبلشر نے ماس پرنٹرز کراچی سے چھپوا کر ادارۂ مطبوعات ہمدرد ناظم آباد کراچی سے شائع کیا۔

ISSN 02 59-3734

سرورق کی تصویر — خمسہ احسن، دبئی

ہمدرد نونہال نومبر ۲۰۱۵ عیسوی — اس شمارے میں کیا کیا ہے؟

محبت کے چشمے
مسعود احمد برکاتی
۸
عزیز و اقارب سے اچھے تعلقات کی اہمیت پر خصوصی اصلاحی تحریر

بہتا ہوا جرم
جاوید اقبال
۱۶
مجرم چاہے جتنی چالاکی سے کام لے، کبھی نہ کبھی ضرور پکڑا جاتا ہے

ڈر کا پھندا
روبنسن سیموئیل گل
۲۱
لوگوں کے ڈر اور خوف سے فائدہ اُٹھانے والوں کا دل چسپ قصہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

ایک نونہال سخت پریشان تھا۔ اس کے ماں باپ نے اسکول میں داخل تو کرا دیا تھا، مگر فیس ادا کرنے کی سکت نہ تھی۔ تین مہینے فیس داخل نہ ہوئی۔ نوٹس جاری ہو گیا کہ اگر فیس جمع نہ ہوئی تو نام کاٹ دیا جائے گا اور کتابوں کا بستہ لے لیا جائے گا۔

نونہال تھا پڑھنے کا شوقین، مگر ماں باپ کی غربت کا کیا کرتا۔ دل مسوس کر رہ گیا۔ اُداس تھا اور پریشان۔ اس کی اُداسی اور پریشانی کا حال آخر اس کے اسکول کے دوستوں پر کُھل گیا۔ نونہال کے اسکول کے چند دوستوں نے آپس میں بیٹھ کر سوچا اور پھر سب نے نہایت رازداری سے پیسے جمع کیے اور چپکے سے غریب نونہال کی فیس داخل کر دی۔

غریب نونہال صدر مدرس کو آخری سلام کرنے گیا کہ اس کا نام کٹ چکا تھا، مگر صدر مدرس نے بتایا کہ تمھاری فیس تو داخل ہو چکی ہے۔ تم کل کیوں نہیں آؤ گے؟

غریب نونہال حیران کھڑا صدر مدرس کا منھ دیکھتا رہ گیا۔ میری فیس کس نے جمع کرائی؟ میرے ابا نے تو کہہ دیا تھا کہ کل سے اسکول نہ جانا۔ میرے ساتھ کھیتوں میں کام کرنا۔

نونہال دوستوں نے اس راز کو راز رکھا۔ یہ بھی عظمت ہے کہ خاموشی سے مدد کی جائے۔ ایک ہاتھ کو دوسرے ہاتھ کی خبر نہ ہو۔

(ہمدرد نونہال فروری ۱۹۹۶ء سے لیا گیا)

اس مہینے کا خیال

اچھائی کر کے بھول جانا
بہت بڑی اچھائی ہے

حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کی زندگی ہمارے لیے ایک اعلا نمونہ اور ایک اہم سبق ہے۔ حضرت امام حسینؓ نے اپنی زندگی دے کر اسلام کی سچائی کی شہادت دی اور ہمیں بتایا کہ مسلمانوں کی سربراہی کے لیے وہ انسان بہترین ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔

۹ نومبر ۱۸۷۷ء اردو کے عظیم شاعر اور مفکر علامہ محمد اقبال کا یوم پیدائش ہے۔ علامہ اقبال نے اپنی اعلا شاعری کے ذریعے سے ہمیں جگایا اور خودی کا سبق دیا۔

چند باتیں ہمدرد نونہال پڑھنے والے دوستوں سے:

ہمیں ہر مہینے بہت سارے خطوط ملتے ہیں، جن میں اس شمارے کی تحریروں کے بارے میں تعریفیں ہوتی ہیں۔ تعریف کرنا بُری بات نہیں ہے، بلکہ اچھی بات ہے۔ تعریف سننے والے کا دل خوش ہوتا ہے اور وہ اچھی اچھی، نئی نئی باتیں سوچنے لگتا ہے، اس طرح ہمدرد نونہال اچھے سے اچھا ہوتا جا رہا ہے اور ان شاء اللہ اسی طرح آگے بڑھتا رہے گا۔ مجھے یقین ہے کہ ہمدرد نونہال پڑھنے والے دوستوں میں سے ہی اچھے لکھنے والے اور رسالے کو مرتب کرنے والے بھی پیدا ہوں گے۔

خدا حافظ

حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم

بہترین صدقہ یہ ہے کہ کسی بھوکے کو پیٹ بھر کر کھانا کھلایا جائے۔

مرسلہ : سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادخان

حضرت علی کرم اللہ وجہہ

بہترین انسان وہ ہے، جسے یاد کر کے کوئی روئے اور بدترین انسان وہ ہے، جس کے ظلم سے کوئی روئے۔

مرسلہ : صبا معراج، کولسارنگ

حضرت لقمان

حکمت اور دانائی، معمولی انسان کو بادشاہ بنا دیتی ہے۔

مرسلہ : محمد عزیر چشتی، ڈیرہ غازی خان

شیخ سعدیؒ

غصے کی آگ پہلے غصہ کرنے والے کو ہی جلاتی ہے۔

مرسلہ : طارق محمود کھوسو، کشمور

جبران خلیل جبران

محنتی آدمی کے سامنے پہاڑ معمولی پتھر ہے اور سست آدمی کے سامنے معمولی پتھر بھی پہاڑ ہے۔

مرسلہ : محمد منیر نواز، ناظم آباد

شہید حکیم محمد سعید

وقت کی پابندی کامیابی حاصل کرنے کا پہلا قدم ہے۔ مرسلہ : عبدالوہاب، اسلام آباد

ارسطو

قانون مکڑی کا جالا ہے، جس میں ہمیشہ چھوٹے کیڑے مکوڑے ہی پھنستے ہیں۔ بڑے جانور تو اس کو پھاڑ کر نکل جاتے ہیں۔

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

جارج برنارڈشا

دوستی کرنے میں رفتار دھیمی رکھو، مگر جب دوستی ہو جائے تو اسے توازن سے جاری رکھو۔

مرسلہ : علینہ سلیم، رحیم یار خان

جانسن

جو شخص بُرے کام کرنے سے ڈرتا ہے، وہ سب سے زیادہ بہادر ہے۔ مرسلہ : عبدالرافع، لیاقت آباد

سینیکا

بچت بذاتِ خود خوش حالی کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

مرسلہ : روبینہ ناز، رتن تلاؤ

اسلام

عمران فائق

عالی مقام اسلام ہے
اونچا ہے نام اسلام کا

باطل کو بھی تسلیم ہے
پختہ قیام ، اسلام کا

مظلوم کا یہ ساتھ دے
اعلا ہے کام ، اسلام کا

تن من لٹائے دین پہ
فائق غلام ، اسلام کا

ہر فرض ہی پورا کرو
تم صبح و شام ، اسلام کا

محبت کے چشمے

مسعود احمد برکاتی

اللہ کے آخری اور پیارے نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی پاک سیرت تمام انسانوں کے لیے بہترین نمونہ ہے۔ حضورؐ نے زندگی کے ہر شعبے اور ہر معاملے میں اپنے قول اور عمل سے ہماری رہ نمائی کی ہے اور بتایا ہے کہ اچھی زندگی کس طرح گزاری جا سکتی ہے۔

دنیا میں انسان کے سکون اور خوشی کا انحصار دوسرے انسانوں سے اچھے تعلقات پر ہے۔ کوئی آدمی اپنے قریب کے لوگوں سے تعلقات بگاڑ کر خوش نہیں رہ سکتا۔ رشتے دار آپس میں سب سے قریب ہوتے ہیں۔ پڑوسی بھی بہت قریب ہوتے ہیں۔ بعض دوست اور ساتھی بھی عزیزوں کی طرح ہوتے ہیں۔ پھر رشتے داروں میں بھی کئی درجے ہوتے ہیں۔ ماں، باپ، میاں، بیوی، بیٹا، بیٹی، بھائی، بہن اور دوسرے رشتے دار اپنی اپنی جگہ محبت اور تعلق رکھتے ہیں۔ ان سب کا حق ایک دوسرے پر ہوتا ہے۔ اس حق کو ادا کرنے کے جذبے کو رشتوں کا احترام کہنا چاہیے۔ جو عزیز، رشتے دار جس سلوک کا مستحق ہے، اس کے ساتھ وہی سلوک کیا جائے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''تم میں سب سے زیادہ کامل ایمان اس شخص کا ہے، جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں اور جو اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھے سلوک میں سب سے بڑھا ہوا ہو۔''

ایک بار حضورؐ نے اپنے ساتھیوں (صحابہؓ) سے پوچھا: ''جانتے ہو؟ تم میں مفلس کون ہے؟''

صحابہؓ نے جواب دیا: ''مفلس وہ شخص ہے، جس کے پاس نہ تو درہم ہوں نہ کوئی اور سامان۔''

حضورؐ نے فرمایا: ''میری اُمت کا مفلس وہ شخص ہے، جو قیامت میں اپنی نماز، روزے اور زکوٰۃ کے ساتھ اللہ کے سامنے حاضر ہوگا، مگر اس کے ساتھ اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا یا کسی کو قتل کیا ہوگا، کسی کو ناحق مارا ہوگا، ان تمام مظلوموں میں اس کی نیکیاں بانٹ دی جائیں گی، پھر اگر اس کی نیکیاں ختم ہوگئیں اور مظلوموں کے حقوق باقی رہے تو ان مظلوموں کی غلطیاں اس کے حساب میں ڈال دی جائیں گی اور پھر اسے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔''

آپس میں لوگوں سے اچھے تعلقات رکھنا اخلاقی خوبی ہے اور لڑنا جھگڑنا، بُرا بھلا کہنا اخلاقی عیب ہے۔ جو لوگ دوسرے لوگوں کے آپس کے تعلقات خراب کراتے ہیں، ان کے دلوں میں رنجش پیدا کرتے ہیں وہ تو اپنی عبادتوں کا ثواب بھی ضائع کر دیتے ہیں۔ حضورؐ کا فرمان ہے: ''میں تمھیں بتاؤں کہ روزے، صدقے اور نماز سے بھی افضل کیا چیز ہے؟ وہ ہے بگڑے ہوئے تعلقات میں صلح کرانا۔ لوگوں کے باہمی تعلقات میں بگاڑ پیدا کرنا، وہ فعل ہے جو آدمی کی ساری نیکیوں پر پانی پھیر دیتا ہے۔''

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک اور فرمان ہے: ''اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو، نہ اس کے ساتھ ایسا مذاق کرو، جس سے اسے تکلیف ہو اور نہ ایسا وعدہ کرو، جسے پورا نہ کرسکو۔''

حضورؐ کا یہ ارشاد بھی پڑھیے: ''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہوسکتا، جب تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی بات پسند نہ کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔''

جس گھر کے لوگ آپس میں میل محبت سے رہتے ہیں، ایک دوسرے کے کام بڑھ چڑھ کر کرتے ہیں اور تکلیف میں ایک دوسرے کا ساتھ دیتے ہیں تو اس خاندان کے لوگ بڑے سکون اور آرام سے زندگی گزارتے ہیں۔ خاندان معاشرے کی پہلی

اکائی ہے۔ یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ بہت سے خاندانوں کا مجموعہ معاشرہ کہلاتا ہے۔ ایک شہر یا ایک ملک کے لوگ مل کر ایک معاشرہ بناتے ہیں۔ کسی شہر کے لوگوں کی عادتیں، طور طریقے، مزاج، رسمیں، رہنے سہنے اور کھانے پینے کے طریقے، آپس میں ملنے جلنے کے انداز اس شہر کی زندگی کو آسان یا مشکل بناتے ہیں۔ اس شہر میں رہنے والا ہر شخص معاشرے پر اثر ڈالتا ہے اور اثر لیتا بھی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ہدایات دی ہیں اور خود اپنی زندگی میں اپنے عمل سے جو نمونہ یا معیار ہمیں عطا کیا ہے، اس پر عمل کیا جائے تو خاندان اور معاشرے کے سب لوگوں کو سکون اور خوشی میسر آ سکتی ہے۔ حضورؐ خود بھی اپنے خاندان اور رشتے داروں کا بہت خیال رکھتے تھے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''کسی غریب، مسکین کو صدقہ دینے سے صرف صدقے کا ثواب ملتا ہے اور غریب رشتے دار کو دینے سے دُہرا ثواب ملتا ہے۔''

ایک صاحب آپؐ کی خدمت میں آئے اور سوال کیا: ''یا رسول اللہ! میرے اچھے سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟''

آپؐ نے فرمایا: ''تیری ماں۔''

پوچھا: ''پھر کون؟''

فرمایا: ''تیری ماں۔''

ان صاحب نے پھر پوچھا: ''پھر کون؟''

فرمایا: ''تیری ماں۔''

تین بار آپؐ نے ماں ہی کو حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ مستحق بتایا۔

چوتھی بار پوچھنے پر آپ نے فرمایا: ''تیرا باپ۔''

حقیقت یہ ہے کہ دنیا کی زندگی میں ہم پر سب سے زیادہ احسان ماں کا ہی ہوتا

ہے۔ ہمیں پالنے اور ہماری حفاظت کرنے کے لیے جو محنت ماں کرتی ہے اور اپنے آرام کی جو قربانی ماں دیتی ہے، وہ کوئی نہیں دے سکتا۔ ماں کے بعد باپ کا درجہ ہے۔ باپ بھی اپنی اولاد کے لیے جو قربانی دیتا ہے، وہ ماں کے بعد کسی سے کم نہیں۔

حضورؐ نے بد زبان ماں کی اطاعت اور خدمت کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ حضرت حلیمہ سعدیہؓ نے آپؐ کو دودھ پلایا تھا۔ وہ آپؐ کی رضاعی ماں تھیں۔ آپؐ نے ایک بار ان کے قبیلے کے جنگی قیدیوں کو ان کے کہنے پر رہا فرمایا تھا۔

مہمان کی خاطر مدارات بھی اچھی زندگی کا ضروری حصہ ہے۔ حضورؐ نے مہمان کے آرام اور عزت کی تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد ہے: ''جو شخص اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتا ہو، اسے اپنے مہمان کی عزت کرنی چاہیے، اپنے پڑوسی کو تکلیف نہیں دینی چاہیے۔''

جو لوگ قریب رہتے ہیں، چاہے وہ رشتے دار نہ ہوں، لیکن رشتے داروں سے زیادہ ان سے واسطہ پڑتا ہے، ان سے اچھے تعلقات انسان کی شرافت کا ثبوت ہیں۔ حضورؐ کا اعلان ہے: ''مومن نہیں ہے، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں، اللہ کی قسم وہ مومن نہیں ہے، جس کی بدی سے اس کا پڑوسی امن میں نہ ہو۔''

آپؐ نے یہ بھی فرمایا: ''جو شخص پیٹ بھر کر کھالے اور اس کے بازو میں اس کا پڑوسی بھوکا رہ جائے، وہ ایمان نہیں رکھتا۔''

بہترین حاکم وہ ہے جو اپنی رعایا اور اپنے ماتحتوں کو نہ ستائے، بلکہ ان کے آرام کا خیال رکھے۔ حضورؐ کا ارشاد ہے: ''وہ شخص جنت میں داخل نہ ہوگا، جو اپنے ماتحتوں پر بری طرح افسری کرے۔''

اگر ہر شخص اپنی حیثیت کا خیال رکھے اور اس حیثیت سے اس کا جو فرض بنتا ہے، وہ ادا کرتا رہے تو سب خوش رہیں گے اور کسی کو شکایت یا تکلیف نہیں ہوگی۔

سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف چند الفاظ میں ایک ایسا نکتہ بیان فرمایا، جس کو سمجھ لیا جائے تو ہر طرف سکون اور راحت کا دور دورہ ہو جائے۔ آپؐ نے فرمایا: ''تم میں سے ہر ایک اپنی رعایا کا نگہبان ہے اور تم میں سے ہر ایک سے اس کے بارے میں باز پرس (پوچھ گچھ) ہوگی۔ مرد اپنی بیوی کا رکھوالا ہے۔ اس سے اس کی بیوی کی پوچھ ہوگی اور بیوی اپنے شوہر کے گھر کی نگراں ہے۔ اس سے اس کی پوچھ ہوگی۔''

قرابت داروں یا رشتے داروں کا حق ادا کرنے سے معاشرے میں خوشی اور خوش حالی آتی ہے۔ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے رشتوں کا خیال رکھنے کی ہدایت فرمائی ہے: ''اس اللہ سے ڈرو، جس کا واسطہ دے کر تم ایک دوسرے سے اپنے حق مانگتے ہو اور رشتے اور قرابت کے تعلقات کو بگاڑنے سے پرہیز کرو۔'' (سورۂ نساء آیت۔۱)

رشتے داروں کے حق ادا کرنے سے عمر بڑھتی ہے اور رزق میں برکت ہوتی ہے۔ حضورؐ نے فرمایا: ''جس کو یہ پسند ہو کہ اس کی روزی میں وسعت ہو اور اس کی عمر میں برکت ہو تو اس کو چاہیے کہ صلہ رحمی کرے۔'' (یعنی رشتے کا حق ادا کرے)

رشتوں کا حق ادا کرنے سے زندگی میں آسانی پیدا ہوتی ہے اور محبت کے چشمے افراتفری ختم کرکے معاشرے کو پُرسکون، مستحکم اور شاداب کرتے ہیں۔ ☆

ای-میل کے ذریعے

ای-میل کے ذریعے سے خط وغیرہ بھیجنے والے اپنی تحریر اردو (ان پیج نستعلیق) میں ٹائپ کر کے بھیجا کریں اور ساتھ ہی ڈاک کا مکمل پتا اور ٹیلے فون نمبر بھی ضرور لکھیں، تاکہ جواب دینے اور رابطہ کرنے میں آسانی ہو۔ اس کے بغیر ہمارے لیے جواب ممکن نہ ہوگا۔ hfp@hamdardfoundation.org

اقبال کا تعلیمی سفر

نسرین شاہین

ہمارے قومی شاعر علامہ محمد اقبال ۹ نومبر ۱۸۷۷ء (۳ ذیقعد ۱۲۹۴ھ) کو سیالکوٹ میں پیدا ہوئے۔ ان کے بزرگ کشمیر سے ہجرت کر کے سیالکوٹ آئے اور محلہ کھیتیاں میں آباد ہوئے۔ علامہ اقبال کے والد شیخ نور محمد دین دار آدمی تھے۔ ان کی والدہ امام بی بی ایک خدا ترس خاتون تھیں۔

مولانا ابو عبداللہ غلام حسن محلہ شوالہ کی مسجد میں درس دیا کرتے تھے۔ یہاں سے اقبال کی تعلیم کا آغاز ہوا۔ حسبِ دستور قرآن شریف کی تعلیم سے ابتدا ہوئی۔ ایک دن مولوی غلام حسن بچوں کو پڑھا رہے تھے کہ مولوی سید میر حسن کا اِدھر سے گزر ہوا۔ ملاقات کے لیے مکتب میں تشریف لے آئے۔ اقبال مکتب میں اپنا سبق یاد کر رہے تھے۔ دورانِ گفتگو معصوم صورت، ذہین اقبال پر ان کی نظر پڑی تو دریافت کیا: ''یہ کس کا بچہ ہے، کیا نام ہے؟''

مولوی حسن نے فرمایا: ''شیخ نور محمد کا بیٹا، اقبال ہے۔''

چند روز بعد راستے میں اقبال کے والد سے مولوی میر حسن کی ملاقات ہوئی تو فرمایا: ''آپ کا بیٹا اقبال محلہ شوالہ کے مکتب میں جاتا ہے، میرے پاس بھیج دیں، میں اسے خود پڑھاؤں گا۔''

یوں محمد اقبال اپنے نامور استاد مولوی میر حسن کی خدمت میں حاضر ہو گئے۔ ابتدائی تعلیم و تربیت مولوی میر حسن کی زیرِ نگرانی مکمل ہوئی۔ اردو، فارسی اور عربی پڑھی، پھر اسکاچ مشن اسکول میں داخل ہو گئے۔ اسکول سے آتے تو استاد کی خدمت میں پہنچ جاتے۔ اقبال سمجھ بوجھ اور ذہانت میں اپنے ہم عمر بچوں سے کہیں آگے تھے۔

بچپن ہی سے اقبال کے اندر وہ جذبہ تھا، جو بڑے لوگوں میں ہوتا ہے۔ مطالعے کا بہت شوق تھا، ساتھ ہی انھیں کھیل کود کا بھی شوق تھا۔ شرارتیں بھی خوب کرتے تھے اور حاضر جواب بھی بہت تھے۔ ایک خداداد صلاحیت تھی، جو ان کی ذہانت کا ثبوت تھی۔

۶ مئی ۱۸۹۳ء کو اقبال نے میٹرک کیا اور فرسٹ ڈویژن آئی۔ تمغہ اور وظیفہ ملا۔ اسکاچ مشن اسکول میں انٹرمیڈیٹ کی کلاسیں بھی شروع ہو چکی تھیں، لہٰذا اقبال نے یہیں سے ۱۸۹۵ء میں ایف اے کا امتحان پاس کیا۔ علامہ اقبال کے استاد مولوی میر حسن نے ان کی ابتدائی تعلیم و تربیت اتنی دل جمعی اور توجہ سے کی تھی کہ تعلیمی دور کے اگلے مراحل آسان ہوتے چلے گئے۔

ایف اے کرنے کے بعد مزید تعلیم حاصل کرنے کے لیے گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لیا اور ہاسٹل میں رہنے لگے۔ وہ ایک ذہین طالب علم کی حیثیت سے وظیفہ حاصل کرتے آئے تھے۔ بی اے کے لیے انھوں نے انگریزی، فلسفہ اور عربی کے مضامین منتخب کیے۔ انگریزی اور فلسفہ گورنمنٹ کالج میں پڑھتے اور عربی پڑھنے اورینٹل کالج جاتے تھے۔ گریجویشن مکمل کرتے ہوئے اقبال نے انگریزی اور عربی میں دو طلائی تمغے حاصل کیے۔

اسی زمانے میں اقبال کی شاعری کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ اس وقت پورے برصغیر پاک و ہند میں داغ دہلوی کا نام گونج رہا تھا۔ اقبال نے شاگردی کی درخواست لکھی اور استاد داغ دہلوی کی خدمت میں بھیج دی، جو قبول کر لی گئی، مگر اصلاح کا یہ سلسلہ زیادہ دیر جاری نہ رہ سکا۔ داغ دہلوی اپنی بصیرت سے بھانپ گئے کہ اس ہیرے کو تراشا نہیں جا سکتا۔ یہ کہہ کر فارغ کر دیا کہ اصلاح کی گنجائش نہیں ہے، مگر اقبال اس مختصر سی شاگردی پر بھی ہمیشہ خوش رہے۔

۱۸۹۸ء میں اقبال نے بی اے پاس کیا اور ایم اے (فلسفہ) میں داخلہ لے لیا۔
مارچ ۱۸۹۹ء میں انھوں نے پنجاب یونی ورسٹی سے فلسفہ میں ایم اے اس شان دار طریقے سے کیا کہ صوبے (پنجاب) بھر میں اول آئے۔ پھر اپنے بڑے بھائی کے تعاون اور حوصلہ افزائی کی بدولت مزید اعلا تعلیم کے لیے انگلستان گئے۔ ۱۹۰۵ء میں یورپ پہنچنے کے بعد وہاں کے معاشرے کا گہری نظر سے مطالعہ کیا۔ یورپ میں قیام کے دوران آپ نے فلاسفی کی ڈگری کیمبرج یونی ورسٹی لندن سے حاصل کی۔ ۱۹۰۸ء میں اقبال نے بیرسٹر کی ڈگری حاصل کی اور وطن واپس آ گئے۔ یہاں آ کر وکالت شروع کی۔

اس دوران شاعری کا سلسلہ بھی چلتا رہا، مگر اقبال مشاعروں میں نہیں جاتے تھے۔ آخر ایک دن ایک مشاعرے میں گئے اور وہاں یہ شعر پڑھا:

موتی سمجھ کے شانِ کریمی نے چن لیے
قطرے جو تھے مرے عرقِ انفعال کے

اس شعر پر خوب واہ واہ ہوئی اور یہیں سے اقبال کی بہ حیثیت شاعر شہرت کا آغاز ہو گیا۔ مشاعروں میں بلائے جانے لگے۔ اسی زمانے میں انجمن حمایت اسلام سے تعلق قائم ہوا، جو آخری دم تک قائم رہا۔ اس کے جلسوں میں اپنا کلام سنا کر سماں باندھ دیتے۔ اقبال کی مقبولیت نے انجمن کے بہت سارے کاموں کو آسان کر دیا۔ اقبال نے نوجوانوں اور بچوں کے لیے بہت اچھی اچھی اور سبق آموز نظمیں لکھیں۔ ۳۱ مئی ۱۸۹۹ء کو اورینٹل کالج میں میکلوڈ عربک ریڈر کی حیثیت سے فائز ہوئے تھے۔ ہمارے یہ قومی شاعر و فلسفی ۲۱-اپریل ۱۹۳۸ء کو اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ بادشاہی مسجد لاہور کے احاطے میں تدفین ہوئی۔

☆

بہتا ہوا جُرم

جاوید اقبال

چھٹی کا دن تھا۔ ہم تین دوست پہاڑی ڈھلوان کے نیچے برساتی نالے کے پاس بیٹھے تھے۔ ہم یہاں پکنک منانے آئے تھے۔ دو دن سے پہاڑوں پر بارش ہو رہی تھی اور نالے میں طغیانی آئی ہوئی تھی، مگر ہم پھر بھی نالے میں اُتر گئے اور نہانے لگے۔ پانی کے تیز بہاؤ میں پہاڑوں کی طرف سے چیزیں بہتی چلی آ رہی تھیں۔ کبھی کسی درخت کی شاخ بہتی ہوئی آ جاتی، کبھی کوئی سوکھی لکڑی، کبھی آموں سے لدی ڈالی۔ اتنے میں ہمیں پتوں اور شاخوں کا ایک گچھا سا اِدھر آتا نظر آیا۔ ہم اس کی طرف لپکے اور اسے پکڑ کر کنارے پر لے آئے۔ قریب سے دیکھا تو حیران رہ گئے، یہ شاخوں کا گچھا نہیں تھا، بلکہ لکڑی کا ایک چھوٹا سا صندوق تھا، جس پہ شاخیں اس طرح لپیٹی گئی تھیں کہ دور سے دیکھنے پر شاخوں کا گچھا محسوس ہوتا تھا۔ جب ہم نے شاخیں ہٹائیں تو نیچے سے ایک صندوق نکل آیا۔ جانے اس صندوق میں کیا ہے؟ ابھی ہم سوچ ہی رہے تھے کہ قریبی جھاڑیوں کے پیچھے سے تین خوف ناک شکلوں والے آدمی نکل کر سامنے آ گئے۔

''خبردار! اسے مت کھولنا۔'' ان میں سے ایک نے گرج دار آواز میں کہا۔

ہم سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔ ایک آدمی نے آگے بڑھ کر صندوق چھین لیا۔

''آؤ چلو۔'' ان میں سے ایک نے کہا، جو ان کا لیڈر لگتا تھا۔

''لیکن باس! یہ لڑکے......'' صندوق کو اُٹھانے والا بولا۔

''جانے دو بچے ہیں۔'' باس بولا۔

''لیکن باس! بچوں نے صندوق دیکھ لیا ہے۔'' اس نے صندوق کی طرف اشارہ کرتے

ہوئے کہا۔

"تو پھر......"

باس نے اُلجھ کر کہا۔

"ان کو اس غار میں بند کر دو۔" تیسرے نے سامنے پہاڑی کے غار کی طرف اشارہ کر کے کہا۔

انھوں نے ہمیں ایک پہاڑی غار میں بند کر دیا اور اس کے آگے ایک بھاری پتھر رکھ دیا: "اب آدھے گھنٹے تک خاموش بیٹھے رہو، اگر آواز نکالی تو تمھیں شوٹ کر دیں گے۔" لیڈر نے ہمیں دھمکایا اور صندوق لے کر وہاں سے چلے گئے۔

پتھر سے غار کا منھ تو بند ہو گیا تھا، مگر اتنی درز تھی کہ ہم سانس لے سکتے یا باہر دیکھ سکتے تھے۔ آدھے گھنٹے ہم وہاں سہمے ہوئے بیٹھے رہے، پھر ہمت کر کے پتھر کو ہٹانے کی کوشش کی،

مگر پتھر اپنی جگہ سے ہلا تک نہیں ۔ پھر ہم نے شور مچانا شروع کر دیا۔ ایک گزرتے ہوئے کسان تک ہماری آوازیں پہنچ گئیں۔

اس نے چند لوگوں کو اکٹھا کیا اور ہمیں رہائی دلائی۔ غار میں قید ہونے کی وجہ پوچھی تو خوف کی وجہ سے ہم صرف یہ کہہ سکے کہ ہم کھیل رہے تھے کہ پتھر لڑھک کر غار کے منھ پر آ گرا۔

چوں کہ ہماری پکنک ادھوری رہ گئی تھی، اس لیے ہم اگلے اتوار کو پھر ڈھلوان پر گئے، لیکن اس دفعہ ہم ڈھلوان سے ذرا ہٹ کر بیٹھے تھے۔ ہم کھیل کود میں مصروف تھے کہ اچانک احمد بولا: ''وہ دیکھو۔''

ہم نے نالے کی طرف دیکھا۔ شاخوں کا گچھا پھر بہتا چلا آ رہا تھا۔

''چلو چھپ جاؤ۔'' ہشام نے کہا۔ ہم آگے بڑھی ہوئی پہاڑی کی نوک کے نیچے چھپ گئے۔ یہاں سے ہمیں دور دور تک سارا منظر نظر آ رہا تھا۔ وہی تین آدمی جھاڑیوں کے پیچھے سے نکلے۔ ایک پانی میں کود گیا اور جھاڑیوں کے گچھے کو لے کر باہر آ گیا۔ وہ تینوں ایک طرف چل پڑے۔ کچھ دور ان کی جیپ کھڑی تھی۔ جس میں بیٹھ کر وہ لوگ چلے گئے۔

''معاملہ گڑبڑ لگتا ہے۔'' احمد نے گاڑی کو جاتے دیکھ کر کہا۔

''یہ لوگ مجرم معلوم ہوتے ہیں اور ضرور کسی بڑی واردات میں ملوث ہیں۔'' ہشام نے کہا۔

''چلو پولیس چوکی میں جا کر بتاتے ہیں۔'' میں نے کہا۔

ہم پولیس چوکی کی طرف چل پڑے۔ نالے کے قریب ایک چھوٹی پہاڑی پر پولیس چوکی تھی۔ پولیس انسپکٹر نے بڑی توجہ سے ہماری بات سنی، پھر اپنے ساتھیوں سے مشورہ کیا اور ہمیں سمجھا بجھا کر واپس کر دیا۔

اگلی اتوار ہم پھر ڈھلوان کے پیچھے مورچہ لگائے بیٹھے تھے۔ بظاہر ہم کھیل میں مصروف تھے، لیکن درحقیقت ہمیں کسی کا انتظار تھا اور پھر ہمیں ایک کرخت آواز سنائی دی: ''تم پھر آگئے۔'' پلٹ کے دیکھا تو مجرموں کا لیڈر ہمیں کھا جانے والی نظروں سے گھور رہا تھا: ''اب تم بچ کر نہیں جا سکتے'' اس نے جیب سے پستول نکالتے ہوئے کہا۔

''خبردار! ہاتھ اوپر اُٹھالو۔'' اسی وقت ایک آواز آئی۔ ہم نے پلٹ کر دیکھا۔ پولیس کے تین سپاہی بندوقیں تانے چلے آرہے تھے۔ مجرم نے ان پر فائرنگ کرنے کے لیے ہاتھ گھمایا تو ایک زوردار دھماکا ہوا اور مجرم کا پستول اُڑ کر گھاس پر گر پڑا۔ ایک پولیس والے کی گولی سے اس کا ہاتھ زخمی ہو گیا تھا۔ وہ اپنا زخمی ہاتھ پکڑ کر کراہنے لگا۔

یہ دیکھ کر باقی دونوں مجرم جو نالے میں سے جھاڑیوں سے ڈھکا صندوق پکڑ کر لا رہے تھے۔ بھاگنے لگے، مگر پولیس انسپکٹر نے رُک کر کہا: ''خبردار! تم پہاڑی پہ موجود ہمارے ساتھیوں کے نشانے پر ہو۔''

سب نے مڑ کر دیکھا واقعی پہاڑی کے اوپر سپاہی پوزیشن لیے ہوئے تھے۔ مجرموں کے قدم وہیں رک گئے۔ کچھ ہی دیر میں وہاں سپاہیوں کا ایک دستہ آپہنچا اور مجرموں کو گرفتار کر لیا گیا۔

بعد میں پتا چلا کہ اسمگلروں کا یہ گروہ کافی دنوں سے اس طریقے سے اسمگلنگ میں مصروف تھا۔ سرحد پار سے مجرموں کے ساتھی اسمگلنگ کا مال صندوق میں بند کر کے شاخوں میں لپیٹ کر پانی میں بہا دیتے، جسے یہاں موجود مجرم وصول کر لیتے۔ پہاڑی پر پولیس چوکی اور سرحد پہ کڑے پہرے کی وجہ سے انھوں نے یہ محفوظ طریقۂ واردات اختیار کیا مگر آخر پکڑے گئے۔

☆☆☆
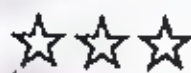
ڈر کا پھندا

روبنسن سیموئیل گل

گاؤں سے بڑی سڑک تک تین میل کا فاصلہ تھا۔ اگر سورج غروب ہو جائے اور اندھیرا چھا جائے تو سمجھ لیں کہ راہ گیروں کی خیر نہیں۔ جو بھی اُس گاؤں یا اُس سے آگے دو تین مزید دیہاتوں تک جانا چاہے گا، وہ اِن رہزنوں کے نرغے میں ضرور پھنسے گا۔ گہری تاریکی میں نقاب پوش ڈاکو اچانک ہلہ بول دیتے تھے اور بے چارے دیہات والوں کے پاس جو کچھ ہوتا چھین لیتے تھے۔ انھوں نے ابھی تک کسی کو جان سے نہیں مارا تھا، مگر ان کے ہاتھوں لوگ شدید زخمی ضرور ہوئے تھے۔ ڈاکوؤں کے اِس گروہ کا خوف تمام دیہاتوں میں پھیلا ہوا تھا۔
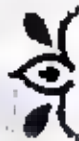
گاؤں میں رہنے والے ایک نوجوان مہتاب نے شیشم کے گھنے درخت کے نیچے چارپائیوں پر بیٹھے باقی گاؤں والوں کو بتایا: ''میں شام کو جب بس سے اُتر کر گاؤں والی پگڈنڈی پر چلنے لگا تو میری نظر ایک شخص پر پڑی جو وہاں پر اکیلا تھا اور مرغا بنا ہوا تھا۔ اُسے دیکھ کر میری ہنسی چھوٹ گئی۔ تب شام ہو رہی تھا اور اتنی روشنی میں اکثر ڈکیتوں وغیرہ کا خطرہ نہیں ہوتا۔ میں حیرانی کے عالم میں اُس شخص کی طرف بڑھا اور اُس سے پوچھا:

''جناب! خیریت تو ہے، یوں مرغا کیوں بنے بیٹھے ہیں؟''

اُس نے کوئی جواب نہ دیا۔ چناں چہ میں تھوڑا اور قریب ہوا تو وہ یکا یک اُٹھ کھڑا ہوا اور مجھ پر پستول تان لیا جو اُس نے نہ جانے کہاں چھپا رکھا تھا۔ اُسی لمحے اُس کے باقی چار ساتھی بھی آ گئے۔''
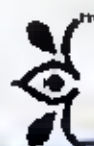
فضل دین اس گاؤں میں عمر رسیدہ اور تجربہ کار تھا۔ وہ مہتاب کی بات کاٹتے ہوئے بولا: ''کیا انھوں نے اپنے چہرے چھپائے ہوئے نہیں تھے؟''

مہتاب نے مسکراتے ہوئے جواب دیا: ''یہی تو دل چسپ بات ہے کہ انھوں نے اپنے آپ کو بالکل بھی چھپایا ہوا نہیں تھا، بس وہ عام آدمیوں کی طرح تھے۔''

''تو کیا تم انھیں پہچان گئے، کون تھے وہ؟'' کسی اور نے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا۔

مہتاب بولا: ''نہیں نہیں، میں انھیں بالکل نہیں جانتا، مگر اُن کا انداز بڑا دوستانہ تھا۔ انھوں نے مجھ سے نقدی چھین لی، جو میں اپنا بکرا بیچ کر لا رہا تھا۔''

''اچھا، پھر کیا ہوا؟ انھوں نے تمھیں جانے کیسے دیا؟''

بھلا وہ مجھے ایسے کیسے جانے دیتے۔ پہلے تو اُن کے ساتھی نے مرغا بن کر مجھے بے وقوف بنایا اور اب وہ پانچوں کھیتوں کی طرف جنگلی کیکر کی جھاڑیوں میں چھپ گئے اور اُسی جگہ پر مجھے مرغا بننے کو کہا۔ میں آدھے گھنٹے تک مرغا بنا رہا، جب تک کہ ایک اور راہ گیر وہاں نہیں آ گیا۔ وہ بے چارہ اگلے والے چک کا بشیر تھا، جو شہر میں سی این جی اسٹیشن پر کام کرتا ہے۔ مجھے مرغا بنا دیکھ کر وہ میرے پاس آیا اور بس پھر میری جان چھوٹی اور وہ بے چارہ مرغا بن کر اُسی جگہ ٹھیر گیا۔ انھوں نے اُس سے بھی نقدی وغیرہ ہتھیالی ہوگی، مگر مجھے وہاں سے چلتا کیا۔''

گاؤں کے سبھی بڑے بزرگ خاصے سنجیدہ دکھائی دے رہے تھے اور اس مسئلے کا حل چاہتے تھے، پھر بھی گاؤں کے مسائل کی جانب کوئی توجہ نہیں دے رہا تھا۔

اُس گروہ کی خاص بات یہ تھی کہ اُن کے پاس اسلحہ تھا اور اُسی سے لوگ خوف زدہ ہو جاتے تھے۔ دوسری خاص بات یہ تھی کہ وہ جگہ اور ڈکیتی کرنے کا انداز اور وقت، بدلتے رہتے تھے۔ کبھی چند دن کے لیے ایسا سکون ہوتا جیسے وہ گروہ کسی اور علاقے میں چلا گیا ہے یا پھر پکڑا گیا ہے، مگر چند دنوں بعد پھر ایسی کوئی واردات ہو جاتی، جو گاؤں والوں کو پھر سے پریشان اور خوف زدہ کر دیتی۔

ایک رات گاؤں کا ایک نوجوان عاشر اپنے گھر واپس آ رہا تھا۔ سورج غروب ہوا اور جلد ہی تاریکی گہری ہونے لگی۔ عاشر کھیتی باڑی کرتا تھا اور خاصا دلیر تھا۔ اُس پگڈنڈی پر تنہا چلتے ہوئے وہ ذرا بھی خوف زدہ نہ تھا، مگر پھر چند سرگوشیوں نے اُس کے رونگٹے کھڑے کر دیے۔ کسی نے پیچھے سے اُس کی کمر میں پستول کی نال چھوئی اور کہا: ''تمھارے پاس جو کچھ بھی ہے ہمارے حوالے کر دو۔''

عاشر واقعی خالی ہاتھ تھا اور جیب میں چالیس پچاس روپے کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا۔ اُن میں سے ایک نے عاشر کی تلاشی لی اور چالیس پچاس روپے دیکھ کر خوب غصے میں آیا۔ اُن کے ایک ساتھی نے عاشر کی گردن پر چپت رسید کرتے ہوئے کہا: ''جیب میں پیسے رکھا کرو، یہ کون سا طریقہ ہے گھر سے خالی ہاتھ اور خالی جیب نکلنے کا؟''

تیسرا بولا: ''چلو اسی سے واردات کرواتے ہیں۔''

یہ سُن کر عاشر تھوڑا سا گھبرا گیا، مگر اُس نے دل ہی دل میں منصوبہ بندی شروع کر دی۔ اُس کا خیال تھا کہ اگر یہ مجھ سے کسی راہ گیر کو لوٹنے کا کہیں گے تو ظاہر ہے مجھے پستول چاہیے ہوگا، تب میں اُسی پستول سے ان پر حملہ کر دوں گا۔

لٹیرے اس خیال پر فوراً ہی متفق ہو گئے کہ مرکزی سڑک کی جانب چلتے ہیں اور وہاں سے گزرنے والوں کو لوٹتے ہیں۔ بے چارے عاشر کو نہ چاہتے ہوئے بھی وقتی طور پر اُن کے گروہ کا حصہ بننا پڑا۔

عاشر کو ایک چادر اُوڑھا دی گئی، چناں چہ اُسی چادر سے اُس نے اپنے چہرے کو چھپا لیا۔ صرف آنکھیں دکھائی دے رہی تھیں، جن کی مدد سے عاشر کو سب کچھ دکھائی دے رہا تھا۔ عاشر نے پوچھا: ''بھلا میں کسی اسلحے وغیرہ کے بغیر لوگوں کو کس طرح لوٹوں گا، کوئی زور آور ہوا تو وہ مجھے ہی آ دبوچے گا۔''

گروہ میں سے ایک نے کہا: ''زیادہ ہوشیار بننے کی کوشش نہ کرو، ہم جو ہیں، ہم سب کچھ سنبھال لیں گے، تم بس گزرنے والوں کو روکتے جاؤ۔''

اُس گروہ کے سرغنہ نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا: ''اس کو گن پکڑا دو۔''

اور پھر عاشر کو مخاطب کر کے کہا: ''خبردار جو اس گن کی جھلک بھی کسی کو دکھائی۔ یہ تمھاری چادر کے اندر ہی چھپی رہے گی۔''

جب عاشر نے گن دیکھی تو وہ ہکا بکّا رہ گیا، کیوں کہ وہ گن نہیں، بلکہ کھیتوں سے توڑا ہوا گنّا تھا۔

''ہیں...... یہ تو گنّا ہے، بھلا اس سے کون خوف زدہ ہو گا؟''

''بس تم ہماری ہدایات پر عمل کر کے واردات کرو، خود ہی دیکھ لینا یہ گنّا کیا کمال دکھاتا ہے اور ہاں تمھیں اس کام کا کمیشن بھی ملے گا۔ ہمیں بڑا افسوس ہے کہ تمھاری جیب میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں۔ اب ہم تمھاری جیب بھر کر ہی تمھیں رخصت کریں گے۔''

چارو نا چار عاشر کو اُن کی ہدایات کے مطابق عمل کرنا پڑا۔ اُس نے دونوں ہاتھوں سے گنّے کو اس طرح پکڑا، جیسے کوئی کارتوس والی بندوق یا گن پکڑتا ہے۔ وہ سڑک پر جا کھڑا ہوا، جبکہ باقی ساتھی قریب ہی جھاڑیوں میں چھپ کر بیٹھ گئے۔ چادر میں گنّے کی موجودگی اس طرح نمایاں تھی جیسے بندوق کی نال ہو۔

اُس نے دور سے ایک سائیکل والے کو آتے دیکھ لیا۔ جھاڑیوں میں سے سرگوشی کے انداز میں آواز آئی: ''اس کو روکو، یہ اکیلا ہے، اس کو روکو۔''

عاشر نے گنّے کو آگے کرتے ہوئے سائیکل سوار کو بڑے رعب اور دبدبے سے رُکنے کو کہا۔ عاشر سائیکل سوار کو بُری طرح کانپتا ہوا دیکھ کر حیران رہ گیا۔ عاشر نے ابھی اُسے بالکل بھی ڈرایا نہیں تھا، بلکہ عاشر تو خود ڈرا ہوا تھا کہ اگر کسی راہ گیر نے اُسی کو پکڑ کر ٹُھکائی کر دی تو کیا ہوگا۔ خیر اِس وقت تو بے چارے سائیکل سوار کی گھِگّی بندھی ہوئی تھی۔

عاشر نے اُس کی بائیں جانب والی پسلی میں گنّا چبھوتے ہوئے کہا: ''جو کچھ بھی ہے میرے حوالے کر دو، ورنہ اگلے جہان میں پہنچا دوں گا۔''

اُس شخص نے گھبراہٹ کے عالم میں کانپتے ہاتھوں سے جیب سے پیسے نکالے اور عاشر کو تھماتے ہوئے کہا: ''مجھے کوئی نقصان نہ پہنچانا میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، میرے پاس جو کچھ تھا میں نے آپ کو دے دیا۔ اَب تو جیب میں کچھ نہیں بچا کہ کل گھر میں کوئی سبزی پک سکے اور نہ میرے پاس اتنے پیسے ہیں کہ کل بیچنے کے لیے مزید پھل منڈی سے خرید سکوں۔''

یہ دو ہزار روپے کے نوٹ تھے۔ عاشر کو اُس کی روہانسی آواز سن کر ترس آ گیا۔

اُس نے ہزار کا نوٹ بغیر کچھ بولے اُس کو تھما دیا۔ وہ شخص پہلے سے بھی زیادہ گھبرا گیا اور بولا: ''نہیں، نہیں جناب! میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ آپ تو ناراض ہو گئے۔ آپ یہ سب پیسے اپنے پاس رکھ لیں اور مجھے معاف کر دیں، میں نہیں چاہتا کہ بلاوجہ مارا جاؤں۔''

عاشر بہت حیران تھا کہ وہ شخص اپنی مجبوریاں اور مالی مشکلات بھی بتا رہا ہے، مگر آدھی رقم واپس بھی نہیں لے رہا۔ اگر عاشر کچھ زور سے بولتا تو جھاڑیوں میں سے اصل ڈاکو باہر نکل آتے اور نہ صرف اُس کو، بلکہ اُس سائیکل سوار کو بھی نقصان پہنچاتے۔

وہ شخص عاشر کی جانب دیکھے بغیر ہی سائیکل پر اپنا توازن برقرار کرتے کرتے آخر گر پڑا اور پھر سائیکل وہیں گری ہوئی چھوڑ کر تاریکی میں کہیں گم ہو گیا۔

اب عاشر کو اُن لٹیروں کے قہقہے سنائی دے رہے تھے۔ اُن میں سے ایک بولا: ''شاباش، شاباش خان بہادر تم نے تو کمال کر دیا۔ بس ہمارے گروہ میں شامل ہو جاؤ، ہم سب کے وارے نیارے ہو جائیں گے۔''

عاشر کو اپنی اس حرکت پر بہت غصہ آ رہا تھا۔ اگلے ایک گھنٹے میں دو مزید راہ گیر گزرے۔ وہ بھی خوف کے مارے سب کچھ دے دلا کر وہاں سے دوڑ گئے۔ عاشر سرگوشی میں انھیں سمجھانے کی بھی کوشش کرتا کہ میرے پاس گن نہیں گنا ہے، مگر کوئی اُس کی بات ماننے کو تیار نہ ہوتا۔ اُسے اپنی جان پیاری تھی اور اُن پانچوں کے ہاتھوں مار کھانے کے ڈر سے وہ راہ گیروں کو لوٹتے ہوئے، کھلے لفظوں میں بتا بھی نہیں پاتا تھا کہ دراصل وہ لٹیرا یا ڈاکو نہیں، بلکہ خود بھی مجبور ہے اور اُسے مدد کی ضرورت ہے۔

درحقیقت یہ لٹیرے ہر ایک کے ڈر کی وجہ سے ہی دلیر ہو گئے تھے اور یوں دندناتے پھر

رہے تھے۔ سچ ہے کہ انسان اپنے ہی ڈر کے پھندے میں پھنس کر نقصان اُٹھاتا ہے۔

عاشر کی اُس وقت جان میں جان آئی جب اُس نے مہتاب کو مرکزی سڑک پر کھٹارا سی ویگن سے اُترتے دیکھا۔ جھاڑیوں میں سے آہستہ سے ہدایت دی گئی: ''اس کو قابو میں کرو، ورنہ ہم تم دونوں پر گولی چلا دیں گے۔''

ویگن آگے نکل گئی تو عاشر اچانک تاریکی میں سے نمودار ہوا اور زور سے چلایا: ''تمھارے پاس جو کچھ بھی ہے میرے حوالے کر دو۔''

اس نے جان بوجھ کر آواز کو بدلا نہیں، تاکہ مہتاب اُسے پہچان لے۔ مہتاب اب کچھ دلیر ہو گیا تھا، کیوں کہ چند روز پہلے اسی گروہ کے ہاتھوں لُٹ چکا تھا۔ وہ غصے سے بولا: ''ہیں! تم لوگ پھر آ گئے۔''

عاشر نے جواب دیا: ''میں تو پہلی بار یہ کام کر رہا ہوں۔''

اُسی لمحے مہتاب نے عاشر کی آواز پہچان لی اور حیرت کے سمندر میں غوطے کھاتے ہوا بولا: ''ہیں، عاشر تو ...... یہ کیا کر رہا ہے؟ بڑے افسوس کی بات ہے۔ مجھے تجھ سے یہ اُمید نہ تھی۔ پیسوں کی ضرورت تھی تو ویسے مانگ لیتا، ایسی حرکت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟''

عاشر آنکھوں کے اشاروں اور ہونٹوں کی جُنبش سے مہتاب کو سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا اور پیچھے جھاڑیوں کی جانب نشاندہی کر رہا تھا۔ اُس کی آنکھوں میں خوف نمایاں طور پر جھلک رہا تھا۔ اُسے خدشہ تھا کہ کسی بھی لمحے جھاڑیوں کی جانب سے گولیوں کی بوچھاڑ ہو جائے گی اور وہ دونوں وہیں ڈھیر ہو جائیں گے۔

پھر عاشر نے کچھ بولے بغیر سر کو جھٹکا دیتے ہوئے اپنے اوپر سے اس چادر کو اُتار

پھینکا۔ اُس کے ہاتھ میں گنا دیکھ کر تو مہتاب کی ہنسی چھوٹ گئی اور بولا: ''ارے کیا تو بالکل پاگل ہو گیا ہے، یہ کیا احمقانہ حرکتیں کرتا پھر رہا ہے، کچھ بولتا کیوں نہیں؟''

عاشر کو اب ایک اہم فیصلہ کرنا تھا۔ وہ گزرے لمحوں میں جان چکا تھا کہ ان لٹیروں کا سب سے بڑا ہتھیار ہم سب کا خوف ہی تھا۔ اگر اب بھی وہ خوف زدہ رہا تو یہ گروہ اسی طرح سے لوٹ مار کا سلسلہ جاری رکھے گا۔

عاشر نے بڑی دلیری کے ساتھ پیچھے کی جانب مڑتے ہوئے گنّے کو دو حصوں میں تقسیم کیا اور پھر زور سے للکارتا ہوا جھاڑیوں کی جانب لپکا۔ اب اُسے موت کی بھی پروا نہ تھی۔ پہلے تو مہتاب بوکھلا گیا، مگر پھر جلد ہی سمجھ گیا کہ کیا ماجرا ہے؟ گنّے کے دونوں ٹکڑے جو دو دو ڈھائی ڈھائی فیٹ کے تھے، عاشر نے دونوں ہاتھوں میں لے کر تیزی کے ساتھ اُن لٹیروں پر چلانے شروع کر دیے۔

لٹیروں کو یہ توقع نہیں تھی۔ اچانک وہ اُٹھ کھڑے ہوئے اور دو نے اپنے پستول عاشر اور مہتاب پر تان دیے۔ اب عاشر بالکل بھی خوف زدہ نہیں تھا، اس لیے وہ آگے ہی بڑھتا چلا گیا۔ حیرت کی بات تھی کہ لٹیروں نے ابھی تک گولی نہیں چلائی تھی۔

آج ان لٹیروں کا بھی بُرا وقت آ پہنچا تھا۔ مرکزی سڑک پر گاؤں کے دو افراد سائیکل پر سوار گاؤں کی جانب آ رہے تھے۔ جب انھوں نے شور و غل سُنا تو وہ بھی رُک گئے۔ چاروں یعنی عاشر، مہتاب اور دونوں سائیکل سواروں نے مل کر اُن لٹیروں پر ہلا بول دیا۔ عاشر کی دلیری اور اعتماد کے باعث وہی گنا اس کے ہاتھ میں ایک خطرناک ہتھیار بن چکا تھا۔ جن کے ہاتھ میں پستول تھے وہ بھی گھبرا چکے تھے اور اُن کے ہاتھ سے پستول

گر چکے تھے۔ باقی تین کے پاس واقعی گن کے بجائے گنّے ہی تھے، جنھیں چادروں میں چھپا کر وہ معصوم دیہاتیوں کو اب تک بے وقوف بناتے آرہے تھے۔ گنّے کی پے در پے ضربوں نے اُن سب کے چہروں کو لہولہان کر دیا تھا۔ مہتاب نے بڑی تیزی کے ساتھ دونوں پستول اپنے قبضے میں کیے، مگر جب اُس نے پستول چلانا چاہا تو اُسے پتا چلا کہ یہ تو دونوں ہی نقلی ہیں۔ تب تو چاروں نے مل کر اُن پانچوں کو اتنا پیٹا کہ وہ بھاگنے کے بھی قابل نہ رہے۔

صبح صبح پانچوں لٹیرے گاؤں کے اُسی گھنے درخت کے ساتھ بندھے ہوئے تھے۔

عاشر، مہتاب اور گاؤں کے دو سائیکل سوار جنھوں نے رات اُن کی مدد کی تھی، جاوید اور رفیق تھے، یہ چاروں فخر سے گاؤں والوں کے سامنے موجود تھے۔

''ہم سب کا خوف ہی ان کا ہتھیار تھا۔ یہ لٹیرے، بلکہ مسخرے ہیں ہم سب کے خوف نے انھیں خطرناک اور خوف ناک ڈاکو بنا ڈالا، حالانکہ یہ بغیر اسلحے کے ہی ہوتے تھے اور خاصے بزدل بھی تھے۔''

کچھ ہی دیر میں تھانے دار صاحب بھی آپہنچے۔ وہ بھی شرمندہ تھے کہ اگر بروقت کارروائی کر لیتے اور وارداتوں کو یونہی نظر انداز نہ کرتے تو لٹیروں کا یہ گروہ جلد اپنے انجام تک پہنچ جاتا اور پولیس والوں کی بھی شہرت ہو جاتی۔

گاؤں والوں کے سامنے اُن پانچوں لٹیروں نے تمام واقعات کی ذمے داری قبول کی اور سب سے معافی بھی مانگی، مگر سزا سے بچنا تو ممکن نہ تھا۔ تھانیدار صاحب نے یقین دلایا کہ وہ ضرور ان کے خلاف کارروائی کریں گے اور جن جن لوگوں کا نقصان ہوا اُس کی بھی تلافی کرنے کی پوری پوری کوشش کی جائے گی۔ ☆

علم دریچے

زیادہ سے زیادہ مطالعہ کرنے کی عادت ڈالیے اور اچھی اچھی مختصر تحریریں جو آپ پڑھیں، وہ صاف نقل کر کے یا اس تحریر کی فوٹو کاپی ہمیں بھیج دیں، مگر اپنے نام کے علاوہ اصل تحریر لکھنے والے کا نام بھی ضرور لکھیں۔

انمول موتی

مرسلہ : افرح صدیقی، کراچی

☆ محبت اگر مل جائے تو سستی ہے، اگر نہ ملے تو قیمتی ہے۔

☆ محبت ملتی ہے یا دی جاتی ہے، خریدی نہیں جا سکتی۔

☆ شک کا ایک سوراخ محبت کی کشتی کو ڈبو دیتا ہے۔

☆ انسان کی سب سے بڑی خوب صورتی اس کی مسکراہٹ ہے۔

☆ انسان کا چہرہ بھی کتاب ہے، مگر شرط یہ ہے کہ آپ کو پڑھنا آتا ہو۔

☆ دوستی برف کے گولے کی مانند ہے، جسے بنانا تو آسان، مگر برقرار رکھنا مشکل ہے۔

☆ انسان اپنی توہین معاف تو کر سکتا ہے، لیکن بھول نہیں سکتا۔

دنیا گول ہے

تحریر : ابنِ انشا

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، لیاری

دنیا گول ہے۔ گول ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ لوگ مشرق کی طرف سے جاتے ہیں، مغرب کی طرف جا نکلتے ہیں۔ کوئی ان کو پکڑ نہیں سکتا۔ اسمگلروں اور مجرموں کے لیے بڑی آسانی ہوگئی ہے۔ گلیلیو نامی ایک شخص آیا اور اس نے زمین کو سورج کے گرد گھمانا شروع کر دیا۔ پادری بہت ناراض ہوئے کہ ہم کو کس چکر میں ڈال دیا۔ گلیلیو کو تو انھوں نے سزا دے کر آیندہ اس قسم کی حرکت سے روک دیا۔ زمین کو البتہ نہ روک سکے، برابر حرکت کیے جا رہی ہے۔

ہم سا ہو تو

مرسلہ : مدیحہ رمضان، بلوچستان

ہالی وڈ کا ایک مشہور اداکار جو اس وقت شہرت کی بلندی پر تھا، ایک دن صبح کے وقت پیدل کہیں جا رہا تھا کہ سامنے سے ایک باوقار بوڑھے میاں بیوی کو ہاتھوں میں کیمرا تھامے اپنی جانب آتے دیکھا۔ وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھ رہے تھے۔ اداکار فوراً ایک خوب صورت پوز بنا کر ان کے سامنے کھڑا ہو گیا۔ بوڑھے نے کہا: ''نہیں نہیں، آپ غلط سمجھ رہے ہیں۔ دراصل ہم چاہتے ہیں کہ آپ اس کیمرے سے ہماری ایک خوب صورت تصویر کھینچ دیں۔''

حلوائیوں کے حقوق

تحریر : صدیق سالک

مرسلہ : خرم خان، نارتھ کراچی

حلوائیوں کے حقوق کے بارے میں ایک بات یہ ہے کہ انھیں ڈاکٹروں سے بچایا جائے، در پردہ لوگوں کو ''شوگر'' سے ڈرا کر مٹھائی کھانے سے منع کرتے ہیں، حالانکہ ملک کو شوگر کی اشد ضرورت ہے۔ جہاں تک ہم حلوائیوں کا تعلق ہے، ہمیں ڈاکٹروں سے کوئی دشمنی نہیں، ہم تو طرح طرح کی مٹھائیاں بنا کر ان کے گاہکوں میں اضافہ کرتے ہیں اور اگر کسی ڈاکٹر کے پاس مریضوں کی کمی ہو جائے تو ہم اس کی مدد کے لیے اپنی آن اور دوسروں کی جان پر کھیل جاتے ہیں۔ ڈاکٹر ہمیں کمیشن نہیں دیتے تو نہ دیں، کم از کم ہماری روزی پر تو لات نہ ماریں۔

بزرگوں کی باتیں

شاعر : جمال نقوی

پسند : کرن فدا حسین، فیوچر کالونی

ٹلو، بلو، نٹ کھٹ بچے
بد اخلاق اور منھ پھٹ بچے
علم سے ان کا دور کا رشتہ
کیسی کتابیں، کیسا بستہ
دن بھر بازاروں میں گھومیں
گھر، بس رات کو آ کر سوئیں

ماں ان کو سمجھاتی بہت تھی
باپ کا خوف دلاتی بہت تھی
لیکن وہ کچھ سنتے نہیں تھے
جو بھی کہو، وہ کرتے نہیں تھے
مر گئے جب ماں باپ ہی دونوں
بھوکے رہنے لگے وہ دونوں
بات انھیں تب سمجھ میں آئی
کاش کہ کرتے ہم بھی پڑھائی
سب کی طرح آرام سے رہتے
اب گزرے گی عمر یہ کیسے

دوستی

مرسلہ : سید عبدالہادی علی، کراچی

سچی دوستی کی مثال تنخواہ کی سی ہے اور کوئی اپنی تنخواہ کو کبھی نہیں بھولتا، جو وقت کے ساتھ ساتھ بڑھتی ہی جاتی ہے۔ پرانی دوستی پینشن کی طرح ہے، جو مرنے کے بعد بھی چلتی رہتی ہے۔

سر کٹا مرغا

مرسلہ : تحریم خان، نارتھ کراچی

دنیا کا کوئی جانور ایسا نہیں کہ جس کا سر کاٹ کر الگ کر دیا جائے پھر بھی وہ طویل عرصے تک زندہ رہ سکے۔ ایک امریکی مرغے نے اس بات کو غلط ثابت کر دیا۔ وہ سر کٹنے کے بعد بھی معجزاتی طور پر ڈیڑھ سال تک زندہ رہا۔ یہ واقعہ امریکی ریاست ''کولوراڈو'' میں پیش آیا۔ جہاں ''لائڈ اولسن'' نامی شخص کے ایک مرغے نے ڈیڑھ سال تک لوگوں کو حیرانی میں مبتلا کر رکھا۔ لائڈ کے گھر پر اس کی ساس ملنے آ رہی تھی اور وہ جانتا تھا کہ اسے مرغے کی گردن کا گوشت بہت پسند ہے۔ لائڈ نے احتیاط سے مرغے کی گردن کاٹنا چاہی، لیکن اتفاق سے محض اوپر والا حصہ جس میں چونچ، آنکھیں اور سر کا کچھ حصہ شامل تھا کٹ گیا، جب کہ باقی حصہ موجود رہا۔ اس صورت میں مرغے کا زندہ رہنا بظاہر ناممکن تھا، لیکن لائڈ یہ دیکھ کر حیران رہ گیا کہ ایک دن گزرنے کے باوجود یہ زندہ تھا۔ مزید وقت گزرا تو اس نے اُٹھ کر چلنا پھرنا بھی شروع کر دیا، لیکن آنکھیں نہ ہونے کی وجہ سے یہ اِدھر اُدھر ٹکراتا پھرتا تھا۔ لائڈ کو اس پر بڑا رحم آیا اور اس نے

ایک باریک نالی کے ذریعے سے اس کی کھلی ہوئی گردن میں پانی کے قطرے اور کچھ دانے ڈالے۔ پھر یہ معمول بن گیا اور مرغے کو روزانہ اسی طرح سے خوراک دی جاتی رہی۔

جب سر کٹے مرغے کی شہرت بہت پھیل گئی تو لائڈ نے اسے کمائی کا ذریعہ بنالیا۔ وہ اسے شہر شہر لے کر جاتا اور اس پر ٹکٹ لگا کر ہزاروں ڈالر کماتا۔ اس واقعے کو گینز بک آف ورلڈ ریکارڈ میں بھی شامل کیا گیا۔ اس کی یاد میں سالانہ میلا بھی منعقد کیا جاتا ہے۔

احمقانہ قوانین

مرسلہ : مہک اکرم، لیاقت آباد

☆ امریکا کے شمال مشرق میں واقع ریاست ''ورمونٹ'' میں رائج قانون کے تحت بیوی اس وقت تک مصنوعی دانت یا بتیسی نہیں لگا سکتی، جب تک وہ اپنے شوہر سے تحریری اجازت نہ لے۔

☆ ریاست کولوریڈو کے قبائلی شہر ''باؤلڈر'' کی حدود میں پرندے کا شکار کرنا منع ہے۔ اس کے علاوہ ریاست کے لوگ جانور بھی نہیں پال سکتے۔

☆ امریکی ریاست واشنگٹن کے بعض شہروں کی مقامی حکومتوں نے عجیب قوانین بنا رکھے ہیں۔ مثلاً بریمرٹن (BREMERTON) نامی شہر کی حدود میں جو شہری اپنا کوڑا کسی دوسرے کے کوڑے دان میں پھینکے تو اسے بھاری جرمانہ ادا کرنا پڑتا ہے۔

☆ ایک اور شہر دلبر (WILBUR) کا قانون تو خاصا مضحکہ خیز ہے۔ وہاں کوئی شہری بدنما گھوڑے پر سواری نہیں کرسکتا، ورنہ جیل اس کا ٹھکانا بن سکتی ہے۔

معلومات عامہ

مرسلہ : محمد اختر، کراچی

☆ دنیا کا سب سے بڑا جزیرہ گرین لینڈ ہے۔

☆ سب سے زیادہ نمک پاکستان میں پایا جاتا ہے۔

☆ تہران، ملکِ ایران کا دارالحکومت ہے۔

☆ سب سے زیادہ تیل سعودی عرب سے نکلتا ہے۔

☆☆☆

ٹھنڈیانی

ضیاء الحسن ضیا

''ٹھنڈیانی'' کا بھی جواب نہیں
یہ حقیقت ہے کوئی خواب نہیں
صحت افزا مقام ہے بے شک
گرمیوں میں بھی رہتی ہے ٹھنڈک
ایبٹ آباد میں ہے ''ٹھنڈیانی''
گرم ہوتا نہیں یہاں پانی
''ہندکو'' ہے عوام کی بولی
یہ مقامی زبان ہے میٹھی سی
یہاں چیتے بھی پائے جاتے ہیں
ان کے قصے سبھی سناتے ہیں
''ٹھنڈیانی'' میں آکے پھل کھاؤ
اونچے پیڑوں سے دل کو بہلاؤ
نہیں منہگائی کا زیادہ غم
یہاں منہگائی بھی ہے قدرے کم

☆ ''ٹھنڈیانی'' ایبٹ آباد کے پاس ایک صحت افزا مقام ہے۔

☆ ''ہندکو'' پنجابی، سندھی وغیرہ کی طرح کی ایک مقامی بولی ہے۔

چڑیوں کا گیت

فرزانہ روحی اسلم

یکا یک چڑیا کی آنکھ کھل گئی، وہ پُھدک کر گھونسلے سے باہر نکلی۔ شاخ پر بیٹھ کر پہلے اپنے پر پُھلائے، پتلے پتلے پنجے پھیلا کر ایک لمبی انگڑائی لی، پھر چہچہانے لگی۔ ایک کے بعد ایک، ہر طرف سے چڑیوں نے اپنے سُر بکھیرنے شروع کر دیے۔ سحر بھی نمودار ہونے لگی۔ چڑیوں کے گیت نے تمام پرندوں کو بیدار کر دیا، جہاں تک یہ دل کش گیت سنائی دیے، وہاں تک زندگی بھی بیدار ہو گئی۔

چڑیا نے دانہ دُنکا چگنے کے لیے ایک اُڑان بھری۔ کچھ ہی دیر بعد وہ اپنے تینوں بچوں کی چونچ میں دانہ لا لا کر ڈالنے لگی۔ بچوں کا پیٹ بھرنے کے بعد وہ سستانے کے بجائے اپنے چڑے کی تلاش میں نکل گئی جو کل سے غائب تھا۔ جاتے وقت اس نے بتایا تھا کہ وہ کسی ایسی جگہ کی تلاش میں جا رہا ہے، جہاں کسی قسم کا خوف نہ ہو اور سارے پرندے مِل جُل کر رہتے ہوں۔ پارک انسانوں سے آباد ہوں، اور سکھ چین کا بسیرا ہو۔

دوسری صبح طلوع ہو چکی تھی، مگر چڑا واپس نہ لوٹا، پوچھتے پوچھتے علم ہوا کہ اس کا چڑا اکیلا نہیں ہے، بلکہ اس کے ساتھ چار اور چڑے نئی جگہ کی تلاش میں نکلے ہوئے ہیں، تب کہیں جا کر اسے اطمینان ہوا کہ اس کا چڑا اکیلا نہیں ہے۔

دراصل اس باغ میں عجیب معاملات پیش آئے تھے۔ نئے نئے جانور گھومتے دکھائی دینے لگے تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ وہ یہاں کے پرانے رہنے والے ہیں، پہلے کہیں اور چلے گئے تھے، اب لوٹ آئے ہیں۔ باغ کے پرندوں نے ان کی بات کا بھروسا نہ کیا،

کیوں کہ اب دنیا پہلے جیسی نہیں رہی تھی۔ جانور اور پرندے ایک دوسرے کو شک کی نظروں سے دیکھتے تھے۔ وہ آپس میں دکھ درد بھی نہیں بانٹتے، بلکہ اپنی خوشیاں چھپانے لگے تھے، لہٰذا پرندے پریشان رہتے اور اپنا ٹھکانا بدلنے کی کوشش میں لگے ہوئے تھے۔

سارے دن کی پریشانی اور انتظار کے بعد جب دوسری شام بھی رات میں ڈھل گئی تو چڑیا کی بے چینی مزید بڑھ گئی، خدا جانے یہ پانچوں چڑے کہاں چلے گئے؟ باغ میں آہستہ آہستہ اُداسی پھیلنے لگی، کیوں کہ پانچوں چڑے لاپتہ ہو چکے تھے۔

چڑیوں نے تتلیوں اور کوّوں سے بھی اِلتجا کی کہ ڈال ڈال منڈلاتے اور نگر نگر گھومتے ہو تو ذرا چڑوں کا بھی معلوم کرتے رہنا کہ کسی جال میں پھنس گئے ہیں یا غلطی سے راستہ بھٹک گئے ہیں۔

اِدھر چڑیا بچاری اکیلی اپنے بچوں کی دیکھ بھال کرتی، ان کا پیٹ بھرتی اور دشمنوں سے بچاتی۔ چڑیا ہر آنے جانے والے پرندوں سے چڑوں کے بارے میں پوچھتی رہتی۔ ایک دن معلوم ہوا کہ پانچوں چڑے دور کسی ویران حویلی میں اُلوؤں کی قید میں ہیں۔ ان پر الزام ہے کہ وہ اجنبی ہیں اور بلا اجازت اُلوؤں کے علاقے میں گھس آئے ہیں اور جانے کیا نیت لے کر آئے ہیں؟

چڑوں نے لاکھ سمجھایا کہ وہ جہاں رہتے ہیں وہاں درخت ختم ہوتے جا رہے ہیں، لہٰذا بسیرا کرنے کے لیے جگہ تلاش کرتے، نگر نگر گھومتے ہوئے اِدھر آ نکلے تھے کہ شاید یہاں ہرے بھرے درخت مل جائیں۔ ہوسکتا ہے یہاں کے لوگوں نے درختوں کی اہمیت کو سمجھا ہو! شاید درختوں پر بسیرا کرنے کے ساتھ ساتھ درختوں کی اہمیت کا بھی

اندازہ ہو، مگر اُلو ان کی بات ہی نہیں سمجھے، البتہ اُلوؤں نے اپنے علاقے کا بڑا ہی خوف ناک نقشہ کھینچ دیا کہ یہاں کی فضا میں پھولوں کی خوشبو کے بجائے بارود کی بُو بسی رہتی ہے۔ آسمان پر اَبر چھانے کی بجائے دھواں چھایا رہتا ہے۔ یہاں انسان تو کیا درختوں کا بھی سانس لینا مشکل ہو رہا ہے۔ بارش الگ روٹھی رہتی ہے، کبھی کبھار ہی برستی ہے اور اگر برس جائے تو ایسی جھڑی لگتی ہے کہ زندگی دوبھر ہو جاتی ہے، نہ برسے تب بھی عذاب۔ تم جیسی نازک چڑیاں تو ایک گولی کی آواز سے ہی پٹ سے گر کر جان سے ہاتھ دھو لیتی ہیں۔ یہ تو ہم جیسے سخت جان اُلو ہی ہیں جو ایسے حالات میں جی رہے ہیں۔ تم پانچوں بے وقوف چڑے سکھ چین کی تلاش میں نکلے ہو۔ اُلوؤں نے ایک ساتھ مل کر بھدا سا قہقہہ لگایا۔

پانچوں قیدی چڑے عجیب مشکل میں گرفتار ہو گئے تھے۔ چڑوں کو دانہ دُنکا چگنے کی اجازت نہیں تھی، اُلوؤں کے گھیرے میں بیٹھے تینوں ہی ان کی طرف آنکلنے والے کیڑے مکوڑے نگل کر اپنی جان بچاتے۔

تیسرے دن بوڑھے اُلو نے کہا: ''تم چڑے بہت چالاک ہو، کچھ بتاتے ہی نہیں، آج ہم تمھیں دم سے پکڑ کر پٹخ دیں گے، زندہ رہے تو اپنے علاقے میں لوٹ جانا۔''

''نہیں نہیں ایسا ظلم نہ کریں۔ ہماری بات کو سمجھیں۔ آپ جیسے عقل مند پرندوں کے سامنے ہم جیسے چڑوں کی کوئی حیثیت ہی نہیں ہے، مگر ہمارے خاندان کے لیے ہماری جان کی بڑی قیمت ہے۔ ہمیں مار کر کسی عذاب کو دعوت نہ دیں۔ ناحق بہنے والا خون اپنا حساب مانگے گا، تب آپ کیا کریں گے؟''

ابھی چڑوں کی آہ وزاری جاری تھی کہ کہیں دور سے ایک دھماکے کی آواز سنائی دی۔ آس پاس کچھ پرندے اُڑے، کچھ نیچے گرے۔ اُلو کدھر گئے پتا ہی نہ چلا۔ پانچوں چڑے کچھ دیر نیچے پڑے رہے، پھر ہمت کر کے اُڑ گئے۔

کئی دنوں کی اُڑان اور جگہ جگہ ستانے کے بعد آخر وہ تھکے ہارے اپنے آشیانے تک پہنچ ہی گئے۔ پرندوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی۔ سبھی بے تاب تھے، ان کی آپ بیتی سننے کے لیے، مگر وہ چڑے کسی کو کچھ بتانے کو تیار ہی نہ تھے۔ بس پانچوں ایک ہی بات کہتے کہ اُلو کوئی بات نہیں سمجھتے۔

چند دنوں بعد ان کے حواس بحال ہوئے تو چڑے بولے: ''اگر زمین پر درخت زیادہ ہوں تو ہمارے ٹھکانے ختم نہ ہوں، ہمارے آشیانے نہ اُجڑیں اور انسان بھی

نقصان میں نہ رہے، کیوں کہ وہی درخت لگاتا ہے، وہی ان درختوں سے سب سے زیادہ فائدہ اُٹھاتا ہے، ایندھن، فرنیچر، کاغذ، قلم، کتابیں، اور جانے کیا کیا کچھ۔''

انسانوں کے نقصان کے بارے میں سوچ کر پرندے پریشان ہونے لگے، وہ بولے آؤ انسانوں کے لیے اللہ سے خیر مانگیں...... چڑ چڑ...... چڑک چڑک...... وہ سب چونچ کھول کر آوازیں نکالنے لگے۔ ایک کے بعد ایک پھر دوسرا، تیسرا، پھر پورا باغ چڑیوں کی چہچہاہٹ سے گونج اُٹھا۔ چڑیوں کا چہچہانا آج تک جاری ہے۔ شام سویرے، جہاں جہاں چڑیاں موجود ہیں، ایک ہی انداز میں چہچہاتی ہیں انسان سمجھتا ہے کہ چڑیاں اپنا گیت گاتی ہیں، لیکن وہ شاید انسانوں کے لیے خیر مانگتی ہیں۔

☆☆☆
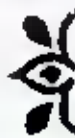
بلاعنوان انعامی کہانی

جاوید بسام

شام کا وقت تھا۔ میاں بلاقی ایک جگہ بوتلوں کے کریٹ بگھی سے اُتار رہا تھا۔ سارا دن وہ بہت مصروف رہا تھا، اس لیے بہت تھک گیا تھا۔ اسی دوران وہاں ایک آدمی آیا اور بولا: ''بلاقی! مجھے تم سے ضروری بات کرنی ہے۔''

بلاقی کو اس کی شکل جانی پہچانی لگی۔ آدمی نے بتایا: ''میرا نام ٹام ہے، میں جون لوہار کا بھائی ہوں۔''

بلاقی نے گردن ہلاتے ہوئے کہا: ''ہاں میں تمھیں پہچان گیا ہوں، تم یہاں کیا کر رہے ہو؟''

ٹام پریشانی سے بولا: ''میں ایک مصیبت میں پھنس گیا ہوں، تمھاری مدد کی ضرورت ہے۔''

''اچھا میں کام سے فارغ ہو کر تم سے بات کرتا ہوں۔'' یہ کہہ کر بلاقی جلدی جلدی کریٹ اُتارنے لگا۔

ٹام کا بھائی جون لوہار، بلاقی کا دوست تھا۔ کچھ سالوں پہلے اس کا انتقال ہو چکا تھا۔ ٹام اچھے کردار کا آدمی نہیں تھا۔ اس نے جیل بھی کاٹی تھی۔ دونوں بھائی قصبے کے جنوبی حصے میں رہتے تھے۔ بلاقی سوچ رہا تھا، نہ جانے یہ یہاں کیوں آیا ہے۔ کام سے فارغ ہو کر وہ ٹام کے پاس آیا اور کہا: ''تمھارا بھائی جون میرا اچھا دوست تھا۔ وہ ایک سچا اور کھرا آدمی تھا۔ مجھے ایسے لوگ پسند ہیں، خیر تم بتاؤ کیا بات ہے؟''

ٹام نے بتایا: ''تمھیں معلوم ہے میں کئی سال سے جیل میں تھا، ابھی ایک ہفتے پہلے رہا ہوا ہوں۔''

''ہاں، تم نے کسی کو قتل کر دیا تھا۔'' بلاقی نے کہا۔

''نہیں، مجھ پر جھوٹا الزام لگایا گیا تھا، لیکن تمام ثبوت میرے خلاف تھے، اس لیے مجھے سزا ہوگئی تھی۔ خیر، اب مسئلہ یہ ہے کہ کچھ لوگ میری جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ ان کی ایک قیمتی چیز میرے پاس تھی، جو غلطی سے گم ہوگئی۔ وہ بہت خطرناک لوگ ہیں۔''

''تم پولیس کے پاس کیوں نہیں جاتے۔'' بلاقی نے کہا۔

''انھوں نے میری بیوی اور بچی کو یرغمال بنالیا ہے۔'' ٹام روہانسا ہو کر بولا۔

''اوہ! یہ تو بہت بُرا ہوا، لیکن میں تمھاری کیسے مدد کرسکتا ہوں؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''میں تمھیں پورا واقعہ سناتا ہوں۔ یہ دس سال پہلے کی بات ہے۔ ہماری دکان پر ایک آدمی آیا۔ اس نے مجھے تین کلہاڑیاں دیں۔ وہ قدیم دور کی کلہاڑیاں تھیں۔ وہ ان کی دھار تیز کرانا چاہتا تھا۔ میں نے وہ کلہاڑیاں رکھ لیں، لیکن غلطی سے وہ اس پیٹی میں جا گریں جس میں ہم اپنا فالتو سامان ڈال دیا کرتے تھے۔ تمھیں یاد ہوگا کہ تم نے جون سے ایک ایسی پیٹی خریدی تھی۔ میں اس وقت دکان پر نہیں تھا۔''

بلاقی نے کچھ یاد کرتے ہوئے کہا: ''ہاں، مجھے یاد آرہا ہے۔ ایک دن میں جون کے پاس گیا تو وہ پریشان تھا، اسے پیسوں کی ضرورت تھی۔ اس نے کہا تھا کہ بلاقی! تم اِدھر اُدھر قصبوں میں جاتے رہتے ہو۔ یہ سامان خریدلو، آگے کہیں اپنا منافع رکھ کر بیچ دینا۔ میں نے دیکھا تھا کہ اس میں کدالیں، پانے اور لوہے کی دوسری چیزیں تھیں۔ میں نے وہ پیٹی خریدلی تھی۔''

''تم نے اس پیٹی کا کیا کیا تھا؟''

''میں اسے بگ ٹاؤن لے گیا تھا۔ وہاں ایک دکان دار پرانا سامان بیچتا ہے۔ میں نے پیٹی اسے فروخت کردی تھی۔''

''مجھے وہاں لے چلو، مجھے وہ کلہاڑیاں حاصل کرنی ہیں۔'' ٹام عاجزی سے بولا۔

''لیکن اتنے عرصے بعد وہ کہاں ملیں گی؟''

''ہم کوشش تو کر سکتے ہیں؟'' ٹام نے کہا۔

''ہاں کوشش تو کر سکتے ہیں، ٹھیک ہے، ہم ابھی بگ ٹاؤن چلتے ہیں، لیکن میں بہت تھک گیا ہوں، کچھ دیر تم بگھی چلاؤ میں آرام کرلوں۔''

ٹام نے گھوڑوں کی لگامیں سنبھال لیں۔ وہ فوراً وہاں سے روانہ ہو گئے۔

ساری رات بگھی چلتی رہی۔ صبح وہ بگ ٹاؤن پہنچے تو وہ دکان دار اپنی دکان کھول رہا تھا۔ بلاقی نے اسے اپنے آنے کا مقصد بتایا۔ وہ بولا کہ تم لوگ خوش قسمت ہو۔ میری عادت ہے جب بھی کوئی چیز فروخت کرتا ہوں، رجسٹر میں اسے لکھ لیتا ہوں، میں معلوم کر سکتا ہوں کہ وہ کلہاڑیاں کن لوگوں نے خریدی تھیں۔ جلد ہی اس نے ایک کاغذ پر تین لوگوں کے نام اور پتے لکھ کر دے دیے۔ بلاقی نے دکان دار کا شکریہ ادا کیا اور دونوں وہاں سے نکل گئے۔

تینوں گھر اسی قصبے میں تھے۔ وہ پہلے گھر پر پہنچے۔ وہاں باغیچے سے لکڑیاں کاٹنے کی آواز آ رہی تھی۔ انھوں نے دیکھا کہ باڑ کے پیچھے ایک آدمی لکڑیاں کاٹ رہا ہے۔ ٹام کی نظریں کلہاڑی پر جم گئیں۔ بلاقی نے سوالیہ نظروں سے اسے دیکھا تو اس نے ہاں میں سر ہلایا۔ بلاقی نے آدمی کو سلام کیا اور کہا: ''جناب! ہم آپ سے یہ کلہاڑی خریدنا چاہتے ہیں۔''

آدمی کلہاڑی چلاتے ہوئے رک گیا اور تعجب سے بولا: ''کیوں! کیا بازار میں کلہاڑیاں ملنی بند ہو گئیں ہیں؟''

بلاقی نے اسے تمام بات بتائی اور بولا: ''آپ نے یہ کلہاڑی پچاس رپے میں خریدی تھی۔ ہم اس کے ایک سو رپے دینے کو تیار ہیں۔ آپ دوسری خرید لیجیے گا۔''

آدمی نے چالاکی سے ہنستے ہوئے کہا: ''یہ میری چیز ہے، میں تو اسے پانچ سو رپے

میں بیچوں گا۔"

بلاقی کے کچھ بولنے سے پہلے ہی ٹام جلدی سے بولا: "ٹھیک ہے یہ لو پانچ سو روپے۔"

کلہاڑی لے کر وہ دوسرے گھر کی طرف روانہ ہوئے۔ وہاں ایک آدمی کام پر جانے کے لیے باہر نکل رہا تھا۔ بلاقی نے اس سے بات کی۔ وہ آدمی بولا: "ہاں مجھے یاد ہے میں نے کلہاڑی خریدی تھی، لیکن عرصہ ہوا اسے استعمال کرنا چھوڑ دیا ہے، اب معلوم نہیں کہ وہ میرے پاس ہے بھی یا نہیں۔ میں کام پر جا رہا ہوں، میرے کپڑے خراب نہ ہو جائیں، اس لیے کلہاڑی تمھیں اسٹور میں خود ہی تلاش کرنی پڑے گی، اسٹور گیراج کے برابر میں ہے۔"

بلاقی نے ٹام کو اشارہ کیا۔ ٹام اسٹور میں گھس گیا۔ جلد ہی وہ کلہاڑی ڈھونڈ لایا۔ اس پر مٹی جمی تھی۔ بلاقی بولا: "کیا یہ وہی کلہاڑی ہے؟"

ٹام نے گردن ہلائی۔ آدمی کو سو روپے نکال کر دیے اور اس کا شکریہ ادا کر کے وہاں سے چل دیا۔ ٹام بہت خوش نظر آ رہا تھا۔

اب تیسرا اور آخری گھر رہ گیا تھا۔ جلد ہی وہ اس کے دروازے پر دستک دے رہے تھے۔ ایک آدمی نے باہر جھانکا۔ بلاقی نے پوچھا: "آپ مسٹر رچرڈ ہیں؟"

"رچرڈ؟ وہ تو پہلے یہاں رہتا تھا۔ عرصہ ہوا یہ گھر چھوڑ کر چلا گیا۔" آدمی نے جواب دیا۔

"اوہ! آپ کو معلوم ہے کہ وہ کہاں گیا ہوگا؟"

"نہیں، شاید کسی بڑے شہر میں گیا ہوگا، اس کے پاس اچانک کہیں سے بہت بڑی رقم آ گئی تھی۔"

"رقم آ گئی تھی؟" بلاقی نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں وہ ایک دم امیر ہو گیا تھا۔ اس نے یہاں سے اپنا کام ختم کیا اور گھر بیچ کر چلا گیا۔"

''کیا اس کا کوئی رشتے دار یہاں رہتا ہے؟'' بلاقی نے پوچھا۔

''ہاں اس کا ایک بھائی ہے، لیکن وہ پاگل ہے۔''

''وہ کہاں ملے گا؟'' ثام نے پوچھا۔

''وہ پچھلی گلی میں ایک درخت کے نیچے بیٹھا رہتا ہے۔''

''ٹھیک ہے، آپ کا بہت بہت شکریہ۔'' وہ وہاں سے چل دیے۔

پچھلی گلی میں جلد ہی انھیں وہ آدمی نظر آ گیا۔ بلاقی بولا: ''ہم رچرڈ کی تلاش میں ہیں، وہ کہاں رہتا ہے؟''

پاگل آدمی نے اپنی لال لال خوف ناک آنکھوں سے اسے گھورا اور ہنسنے لگا۔

''دیکھو، ہماری مدد کرو۔ بتاؤں وہ کہاں رہتا ہے؟''

''وہ چلا گیا!'' پاگل کرخت لہجے میں بولا: ''وہ بہت سوتا تھا، اسے سونا بہت پسند تھا، اسے بہت سارا سونا مل گیا۔ ہاہاہاہا.....'' پاگل زور زور سے قہقہے لگانے لگا۔

ثام نے جلدی سے بلاقی کا ہاتھ پکڑا اور وہاں سے چل دیا: ''میرا خیال ہے یہ ہمیں کچھ نہیں بتا سکتا۔'' وہ بولا۔

''لیکن یہ کیا کہہ رہا ہے؟'' بلاقی نے حیرت سے پوچھا۔

''یہ پاگل ہے، اول فول بک رہا ہے اور میرا خیال ہے ہمیں ابھی رچرڈ کی تلاش ختم کر دینی چاہیے۔ میں یہ کلہاڑیاں لے جا کر ان لوگوں کو دیتا ہوں اور تیسری کے لیے ان سے کچھ وقت لے لیتا ہوں۔'' ثام تیزی سے بولا۔

بلاقی نے کہا: ''ہاں تمھاری بات درست ہے۔'' وہ وہاں سے روانہ ہو گئے۔ اب ان کا رُخ ثام کے قصبے کی طرف تھا۔

رات ہو گئی تھی۔ بگھی تیزی سے قصبے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ ٹام خاموشی سے باہر دیکھ رہا تھا۔ وہ کسی سوچ میں گم لگتا تھا۔ ایک جگہ وہ اچانک بولا: ''میاں بلاقی! بگھی روکو۔''

بلاقی نے بگھی روک لی۔

وہ بولا: ''میرا، تمھارا ساتھ بس یہاں تک تھا۔ مجھے اُتار دو، میں یہاں سے خود چلا جاؤں گا۔''

بلاقی نے حیرت سے اس کی بات سنی اور بولا: ''لیکن میں تمھارے ساتھ ان لوگوں تک جانا چاہتا ہوں۔''

''نہیں اس کی ضرورت نہیں، تمھارا شکریہ، تم نے میرا بہت ساتھ دیا اور یہ لو!'' اس نے جیب میں ہاتھ ڈال کر نوٹ نکالے اور ایک ہزار روپے کا نوٹ بلاقی کی طرف بڑھا دیا۔

بلاقی بولا: ''میں نے تمھارا ساتھ کسی صلے کے لیے نہیں دیا تھا میں تمھاری مدد کرنا چاہتا تھا۔''

''ہاں، تم نے میری بہت مدد کی۔ میں یہ رقم خوشی سے دے رہا ہوں۔'' اس نے زبردستی نوٹ بلاقی کو پکڑا دیے۔

''چلو ٹھیک ہے، لیکن میں کچھ اُلجھن کا شکار ہوں۔ ایک بات مجھے پریشان کر رہی ہے۔'' بلاقی سوچتے ہوئے بولا۔

''کیسی بات؟'' ٹام کا لہجہ بدل گیا تھا۔

''تمھارا کہنا ہے کہ یہ کلہاڑیاں قدیم ہیں، لیکن ان پر تو تمھاری دکان کا نشان کینگرو بنا ہوا ہے؟''

ٹام ایک دم چونک گیا۔ پھر عجیب سی ہنسی ہنس کر بولا: ''تم بہت ہوشیار ہو، لیکن یہ تمھارا معاملہ نہیں ہے۔ تمھیں اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے۔''

''اس کا مطلب ہے تم نے مجھے جھوٹی کہانی سنائی تھی۔''

''ہاں وہ بات جھوٹی تھی اور اب جب کہ تم میرا راز جان گئے ہو تو میں تمھیں ایسے نہیں چھوڑ سکتا۔'' اس نے جیب سے پستول نکالا اور بلاقی پر تان لیا۔

''یہ تم غلط کر رہے ہو!'' بلاقی برہمی سے چلّایا۔

''اپنے ہاتھ پیچھے کرو!'' وہ سخت لہجے میں بولا۔

بلاقی کو اس کی بات ماننی پڑی۔ اس نے جلدی سے بلاقی کے ہاتھ پاؤں باندھے اور بگھی کو درختوں کے جھنڈ میں لے گیا پھر بولا: ''اچھا میاں بلاقی! میں چلتا ہوں، سڑک سے تمھاری گاڑی نظر نہیں آئے گی۔ اتفاق سے اگر کوئی اِدھر آ نکلا تو تمھیں کھول دے گا۔ جب تک میں یہاں سے بہت دور اپنی منزل پر پہنچ چکا ہوں گا۔''

''تمھیں ایسا نہیں کرنا چاہیے۔'' بلاقی نے کہا۔

ٹام عیاری سے مسکرایا اور کہا: ''مجھے یہاں سے نکلنا ہے، اس کے لیے میں کچھ بھی کر سکتا ہوں۔'' یہ کہہ کر اس نے کلہاڑیاں سنبھالیں اور چل دیا۔

بلاقی بولا: ''سنو! اتنی اندھیری رات میں تم کہاں پیدل جاؤ گے، چاہو تو میرا یہ کتھئی رنگ کا گھوڑا لے جاؤ، آرام سے پہنچ جاؤ گے۔''

ٹام مسکرا کر بولا: ''تم بہت نیک دل ہو، میں تمھیں ہمیشہ یاد رکھوں گا۔''

اس نے بگھی میں سے گھوڑا کھولا اور وہاں سے روانہ ہو گیا۔

بلاقی دھیرے سے بڑبڑایا: ''ہاں بیٹا! یاد تو تم مجھے ہمیشہ رکھو گے۔''

ٹام برق رفتاری سے گھوڑا دوڑاتا جنگل سے گزر رہا تھا۔ جنگل ختم ہوا تو ایک دریا آیا، جس میں گھٹنوں گھٹنوں پانی تھا۔ اسے پار کر کے وہ آگے بڑھا تو کچھ دور اسے ریلوے کی ایک پرانی چوکی نظر آئی۔ وہ اب استعمال نہیں کی جاتی تھی۔ وہ ایک سنسان جگہ تھی۔ ٹام

وہاں رک گیا۔ اسی جگہ ریل کی پٹری گھوم رہی تھی، جس کی وجہ سے گاڑی کو آہستہ ہونا پڑتا تھا۔ صبح سات بجے ایک مال گاڑی وہاں سے گزرتی تھی، جو پڑوسی ملک کی سرحد تک جاتی تھی۔ ثام اس میں فرار ہونا چاہتا تھا۔ اس نے گھوڑے کو آزاد چھوڑ دیا اور چوکی میں چلا گیا۔ چوکی میں ایک چارپائی پڑی تھی۔ وہ اس پر لیٹ گیا۔ کلہاڑیاں اس نے اپنے پاس حفاظت سے رکھ لی تھیں۔ جلد ہی وہ نیند میں ڈوب کر سہانے خواب دیکھنے لگا۔

صبح سورج کی پہلی کرن کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے کلہاڑیاں سنبھالیں اور اپنے تھیلے میں سے کچھ بسکٹ نکال کر کھائے۔ دور سے ٹرین کی وسل سنائی دے رہی تھی۔ وہ دروازہ کھول کر جونہی باہر نکلا، تو اُچھل پڑا۔ پولیس نے چوکی کو چاروں طرف سے گھیرا ہوا تھا۔ ایک طرف بلاقی کی بگھی بھی نظر آرہی تھی۔ وہ اُلٹے قدموں واپس چوکی میں گھس گیا۔ پولیس والوں نے درختوں کے پیچھے مورچے سنبھال لیے۔ وہ اسے گرفتاری دینے کا حکم دے رہے تھے، لیکن اس نے فائرنگ شروع کر دی۔ پولیس نے بھی جوابی فائرنگ کی۔ جلد ہی ثام کے پاس گولیاں ختم ہو گئیں، آخر وہ ہاتھ اوپر اُٹھائے باہر آ گیا۔ پولیس اسے گرفتار کر کے تھانے لے گئی۔ بلاقی بھی ساتھ تھا۔

تھانے دار نے ثام سے پوچھ گچھ شروع کی پہلے تو وہ ٹال مٹول کرتا رہا، پھر جب سختی کی گئی تو اس نے بتایا کہ دس سال پہلے میں نے اپنے دوست کے ساتھ مل کر ایک جوہری کی دکان لوٹی تھی، جہاں سے بہت سارا سونا ملا تھا۔ میں نے سونے کو پگھلا کر سلاخیں بنالیں تھیں۔ میں اسے پڑوسی ملک لے جا کر بیچنا چاہتا تھا۔ آخر میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی۔ میں نے تین کلہاڑیاں بنائیں اور ان کے لکڑی کے دستوں کو کھوکھلا کر کے سلاخیں ان کے اندر محفوظ کر دیں۔ موقع دیکھ کر اپنے دوست کے ساتھ میرا وہاں سے فرار ہونے کا ارادہ تھا۔ کلہاڑیاں وقتی طور پر

میں نے فالتو سامان کی پیٹی میں چھپا دی تھیں۔ ایک دن میں کسی کام سے دکان سے باہر گیا ہوا تھا۔ اتفاق سے اسی وقت بلاقی وہاں پہنچا اور میرے بڑے بھائی جون نے پیٹی بلاقی کے ہاتھ فروخت کر دی۔ جب مجھے یہ بات پتا چلی تو میں بلاقی کی تلاش میں نکلا۔ راستے میں مجھے اپنا وہی دوست مل گیا۔ میں نے اسے سب بات بتائی، لیکن وہ غصے میں آ گیا۔ اس کا خیال تھا کہ میری نیت خراب ہو گئی ہے اور میں نے کلہاڑیاں کہیں چھپا دی ہیں۔ وہ مجھ سے لڑنے لگا۔ بات اتنی بڑھ گئی کہ میں نے غصے میں اسے چاقو مار دیا، جو اس کے دل پر لگا اور وہ اسی وقت ختم ہو گیا۔ میں وہاں سے فرار ہو رہا تھا کہ کچھ لوگ وہاں آ گئے اور مجھے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ مجھے سزا ہو گئی۔ جیل سے چھوٹنے کے بعد میں نے بلاقی کو جھوٹی کہانی بنا کر اپنی مدد پر آمادہ کیا۔

بلاقی نے بتایا: ''جب میں نے کلہاڑیوں پر جون کی دکان کا نشان دیکھا تو مجھے کچھ شک ہوا اور پھر جب تیسری کلہاڑی کے مالک کے اچانک امیر ہو جانے کا پتا چلا تو مجھے یقین ہو گیا کہ کچھ گڑ بڑ ہے، لیکن میں انتظار کرتا رہا کہ ٹام اب آگے کیا کرتا ہے، آخر یہ مجھے باندھ کر وہاں سے فرار ہو گیا۔''

تھانے دار نے کہا: ''تیسری کلہاڑی کے مالک کا ہم جلد پتا لگا لیں گے، غالباً اس کلہاڑی کا دستہ ٹوٹ گیا ہو گا۔''

جب پولیس، ٹام کو لاک اپ میں بند کرنے لگی تو وہ جلدی سے بولا: ''بلاقی! میں تم سے ایک سوال کرنا چاہتا ہوں۔''

بلاقی نے مسکرا کر کہا: ''ہاں تم بہت دیر سے بے چین ہو، مجھے معلوم ہے تم کیا پوچھنا چاہتے ہو، یہی نا کہ میں چوکی تک کیسے پہنچ گیا تھا؟''

ٹام نے اقرار میں گردن ہلائی۔

بلاقی ہنس کر بولا: ''یہ ایک راز ہے، لیکن تمھیں بتانے میں کوئی حرج نہیں۔ دراصل میں نے اپنے گھوڑوں کو بہت پیار سے پالا ہے، خاص طور پر کتھئی والے کو، جو میرے اشارے سمجھتا ہے اور راستے پہچانتا ہے۔ جب تم نے اپنی منزل پر پہنچ کر اسے آزاد چھوڑ دیا وہ واپس میرے پاس چلا آیا۔ اس سے پہلے میں اپنی بندشوں سے آزاد ہو چکا تھا۔ میں اپنے پاس ایک چاقو رکھتا ہوں۔ اسے زمین پر گرانا اور پھر رگڑ کر رسیاں کاٹ لینا زیادہ مشکل نہیں تھا۔ جونہی گھوڑا میرے پاس آیا، میں نے اس کی گردن پیار سے سہلائی اور تین دفعہ تھپتھپایا۔ یہ اس بات کا اشارہ تھا کہ ہمیں واپس وہیں چلنا ہے، جہاں سے وہ ابھی آیا ہے۔ گھوڑے نے اپنا کام خوبی سے انجام دیا۔ وہاں پہنچ کر میں نے چوکی میں جھانکا۔ پھر پولیس سے رابطہ کر لیا۔'' ٹام حیرت سے بلاقی کی باتیں سن رہا تھا۔

بلاقی بولا: ''یہ باتیں میں نے تمھیں اس لیے بتا دیں کہ اب تم لمبے عرصے کے لیے جیل چلے جاؤ گے اور ہاں تمھارے خلاف گواہی دینے کے لیے میں ضرور آؤں گا، کیوں کہ میں اچھے لوگوں کا دوست ہوں، بُروں کا نہیں۔'' یہ کہہ کر بلاقی وہاں سے اُٹھ کر چل دیا۔ ☆

اس بلاعنوان انعامی کہانی کا اچھا سا عنوان سوچیے اور صفحہ ۱۰۷ پر دیے ہوئے کوپن پر کہانی کا عنوان، اپنا نام اور پتا صاف صاف لکھ کر ہمیں ۱۸-نومبر ۲۰۱۵ء تک بھیج دیجیے۔ کوپن کو ایک کاپی سائز کاغذ پر چپکا دیں۔ اس کاغذ پر کچھ اور نہ لکھیں۔ اچھے عنوانات لکھنے والے تین نونہالوں کو انعام کے طور پر کتابیں دی جائیں گی۔ نونہال اپنا نام پتا کوپن کے علاوہ بھی علاحدہ کاغذ پر صاف صاف لکھ کر بھیجیں تا کہ ان کو انعامی کتابیں جلد روانہ کی جا سکیں۔

نوٹ: ادارۂ ہمدرد کے ملازمین اور کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔

ماں

کرشن پرویز

بچو! کرنا ماں کی عزت
ماں کے قدموں میں ہے جنت

ماں ہوتی ایثار کی صورت
پیار محبت کی وہ مورت

وہ کرتی ہے بے لوث محبت
دے پائیں کب اس کی قیمت

جن کو ملتیں ماں کی دعائیں
دنیا میں ہے وہ خوش قسمت

کھو جائے تو پھر نہیں ملتی
ماں ہوتی پرویزؔ وہ دولت

معلومات ہی معلومات

غلام حسین میمن

سر سید ثانی

☆ سر سید احمد خاں نے علی گڑھ میں ۱۸۷۵ء میں ''ایم اے او'' اسکول قائم کیا، جو دو سال بعد کالج بنا۔ ان کی وفات کے ۲۳ سال بعد اسے یونی ورسٹی کا درجہ ملا، سر سید احمد خاں کا تعلیمی انقلاب آخر مسلمانوں کی آزادی کا سبب بنا۔

☆ شہید حکیم محمد سعید ۱۹۹۳ء میں جب سندھ کے گورنر بنے تو انھوں نے ۸-۱اکتوبر ۱۹۹۳ء کو چار نئی جامعات کی منظوری دی، جن میں سر سید انجینئرنگ یونی ورسٹی، بقائی میڈیکل یونی ورسٹی، جناح یونی ورسٹی برائے خواتین اور جامعہ قائد اعظم شامل ہیں۔ اس سے قبل وہ مدینۃ الحکمہ میں جامعہ ہمدرد قائم کر چکے تھے، جس کے وہ تا حیات چانسلر تھے۔ انھیں ان تعلیمی کاموں کے سبب ''سر سید ثانی'' بھی کہا جاتا ہے۔

ایک بیٹی

☆ بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح کی صرف ایک ہی بیٹی ہے۔ ڈینا جناح جو بھارت میں رہتی ہیں۔

☆ بانیِ ہمدرد پاکستان، شہید حکیم محمد سعید کی بھی صرف ایک ہی بیٹی ہے۔ محترمہ سعدیہ راشد حکیم صاحب کی شہادت کے بعد ہمدرد (وقف) لیبارٹریز کی چیئر پرسن اور ہمدرد فاؤنڈیشن کی صدر بنیں۔ وہ ہمدرد کے نظم و نسق کو بڑی خوبی اور کام یابی سے چلا رہی ہیں۔

ابنِ بطوطہ

☆ ابنِ بطوطہ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اس نے دنیا میں سب سے زیادہ سفر کیے۔ اس کے قدموں تلے آنے والی زمین کی لمبائی ہزاروں میل ہے۔ ابنِ بطوطہ ۱۳۰۴ء میں مراکش کے شہر طنجہ میں پیدا ہوئے۔ انھوں نے ۲۴ سال حالتِ سفر میں گزارے اور اس سارے سفر کا حال اپنی آپ بیتی ''سفر نامۂ ابنِ بطوطہ'' میں تحریر کر دیا ہے۔ ابنِ بطوطہ کا انتقال ۱۳۷۷ء میں ہوا۔

☆ شہید حکیم محمد سعید ۹-جنوری ۱۹۲۰ء کو دہلی میں پیدا ہوئے۔ ۱۹۴۸ء میں وہ پاکستان آئے اور پاکستان سے پہلا بیرونی سفر ۱۹۴۹ء میں مصر کا کیا تھا۔ اس کے بعد سفر اور حکیم صاحب لازم و ملزوم بن گئے۔ ان کے زیادہ تر سفر علمی کانفرنسوں میں شرکت کے لیے ہوا کرتے تھے۔ وہ دنیا کے ہر بڑے ملک گئے اور بچوں اور بڑوں کے لیے سفر نامے لکھے۔ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے ابنِ بطوطہ کے بعد سب سے زیادہ سفر کیے ہیں۔ انھیں پاکستان کا ابنِ بطوطہ بھی کہا جاتا ہے۔

دو مصور

☆ ۱۷-جنوری ۱۹۷۵ء کو پاکستان کے عظیم مصور عبدالرحمٰن چغتائی کا لاہور میں انتقال ہوا۔ انھوں نے پاکستان کے چار ابتدائی ڈاک ٹکٹوں میں سے ایک کا ڈیزائن بنایا تھا۔ ریڈیو پاکستان اور پاکستان ٹیلے ویژن کے مونوگرام بھی ان ہی کے بنائے ہوئے ہیں۔

☆ اتفاق ہے کہ پاکستان کے ایک اور بڑے مصور اور نیشنل کالج آف آرٹس لاہور کے پرنسپل شاکر علی کا انتقال، عبدالرحمٰن چغتائی کے دس دن بعد ۲۷ جنوری ۱۹۷۵ء کو ہوا۔

☆

☺ خاتون نے فقیر کو ایک روپے کا سکہ دیتے ہوئے کہا: ''بابا جی! یہ لو اور میری صحت کے لیے دعا کرتے رہو۔''

''اے ناتواں خاتون! آپ کے چہرے کی زردی دیکھ کر یقین ہے کہ ایک روپے والی دعا آپ کی صحت کے لیے سود مند ثابت نہیں ہو سکتی۔''

مرسلہ : اقصیٰ انصاری، جھول

☺ بیوی: ''اگر میں مر گئی تو تم کتنے عرصے بعد شادی کرو گے؟''

شوہر: ''مہنگائی کا دور ہے۔ میری تو یہی کوشش ہو گی کہ سوئم والے دن ہی ولیمہ بھی ہو جائے۔''

مرسلہ : اسریٰ خان، کراچی

☺ ایک زخمی شخص ڈاکٹر کے کلینک میں آیا اور کہا: ''ایک کار کی ٹکر سے زخمی ہو گیا ہوں، کار ایک عورت چلا رہی تھی۔''

ڈاکٹر: ''جب کار ایک عورت چلا رہی تھی تو تمھیں سڑک سے دور ہٹ جانا چاہیے تھا۔''

مریض: ''سڑک کیسی ڈاکٹر صاحب! میں تو پارک میں لیٹا ہوا تھا۔''

مرسلہ : محمد شہیر یاسر، راولپنڈی

☺ بھکاری: ''میں گونگا ہوں، خدا کے نام پر ایک روپیہ دو۔''

راہ گیر: ''میں بہرہ ہوں۔ میں نے سنا نہیں۔''

مرسلہ : محمد شایان اسرخان، کراچی

☆ ایک کاروباری شخص تجارت میں ایمان داری کی اہمیت کے موضوع پر اپنے دوست سے گفتگو کر رہا تھا: ''کل ہی کی بات ہے کہ مجھے ایک گاہک نے ایک ہزار کا نوٹ دیا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے دیکھا تو چپکے ہوئے دو نوٹ تھے۔ بس وہیں ایمان داری کا مسئلہ کھڑا ہو گیا۔''

دوست نے اشتیاق سے پوچھا: ''پھر کیا ہوا؟''

اب تک سوچ رہا ہوں کہ اپنے پارٹنر کو یہ بات بتاؤں یا......۔''

دوست نے پوچھا: ''یا پھر......؟''

''دوسرا نوٹ خود ہی رکھ لوں۔'' کاروباری آدمی نے بڑی سنجیدگی سے جواب دیا۔

مرسلہ : عرشیہ نوید، کراچی

😊 ایک آدمی ڈاکٹر کے پاس گیا اور کہا: ''میرے بیٹے کے سر سے خون نکل رہا ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا: ''خون کیسے نکلا؟''

وہ آدمی بولا: ''یہ بے وقوف! پیپر ویٹ سے کیل ٹھونک رہا تھا۔ میں نے کہا کہ کچھ عقل سے کام لو، کھوپڑی استعمال کرو، بس اس نے اپنے سر سے کیل ٹھونک دی۔''

مرسلہ : شہربانو محمود، اٹک

😊 صبح صبح دروازے کی گھنٹی بجی فہیم صاحب باہر نکلے۔ سامنے ایک اجنبی شخص کھڑا تھا۔

انھوں نے پوچھا: ''کیا بات ہے؟''

وہ صاحب بولے: ''السلام علیکم جناب! کیا آپ کے پاس ویکیوم کلینر ہے؟''

فہیم صاحب: ''جی ہے۔''

ان صاحب نے پھر پوچھا: ''کیا آپ کے پاس استری، واشنگ مشین، گرائنڈر اور جوسر بھی ہے؟''

فہیم صاحب: '' نے حیران ہو کر کہا: ''جی ہاں! موجود ہے، مگر آپ کون ہیں اور یہ سوال کیوں کر رہے ہیں؟''

وہ صاحب بولے: ''دراصل ہم آپ کے پڑوس میں مکان کرائے پر لینا چاہ رہے ہیں، اس لیے پہلے تسلی کرنا چاہتے ہیں کہ ہمیں یہاں کسی قسم کی پریشانی تو نہیں ہوگی۔''

مرسلہ : سیدہ اریبہ بتول، کراچی

😊 بیوی: ''میں جو بات کہتی ہوں، آپ ایک کان سے سنتے ہیں اور دوسرے کان سے نکال دیتے ہیں۔''

شوہر: ''اور جو بات میں کہتا ہوں، وہ تم دونوں کانوں سے سنتی اور منھ سے نکال دیتی ہو۔''

مرسلہ : زینب ناصر، فیصل آباد

😊 تین بے وقوف کار میں جا رہے تھے۔ راستے میں ہی ایک جگہ گاڑی کے خود کار

دروازے بند ہو گئے۔ تینوں پریشان ہو گئے۔

پہلا دوست: ''دروازہ توڑ کر نکل جانا چاہیے۔''

دوسرا دوست: ''کھڑکی سے نکلنے کی کوشش کرتے ہیں۔''

تیسرا دوست: ''جو بھی کرنا ہو، جلدی کرو، بارش آنے والی ہے اور گاڑی کی چھت بھی نہیں ہے۔''

مرسلہ : قلزا مہر، سکھر

☺ یونی ورسٹی کے ایک پروفیسر صاحب جب پڑھانے کے لیے آئے تو اس حال میں تھے کہ چہرے پر جا بجا زخم والی پٹیاں چپکی ہوئی تھیں۔

ایک طالب علم کے پوچھنے پر انھوں نے بتایا: ''آج جس شخص نے میرا شیو بنایا ہے، وہ پانچ زبانوں کا ماہر ہے۔ جسے فرانسیسی ادب کا بہترین اسکالر سمجھا جاتا ہے اور جو اپنی تحریروں کی وجہ سے اپنے ملک کے علاوہ دوسرے ملکوں میں بھی مشہور ہے۔''

طالب علم نے حیرانی سے پوچھا: ''جنابِ والا! ایسا عالم فاضل شخص حجام کیسے بن گیا؟''

پروفیسر نے جواب دیا: ''وہ حجام نہیں ہے، دراصل زندگی میں پہلی بار میں نے اپنا شیو خود بنایا ہے۔''

مرسلہ : اسماء جبین، کراچی

☺ میزبان (مہمان سے): ''آپ کے لیے کدو شریف پکاؤں؟''

مہمان بولا: ''گناہ گار انسان ہوں، کدو شریف کے لائق نہیں، ایسا کرو، وہ جو سامنے شریر مرغا نظر آ رہا ہے، وہی پکا لو۔''

مرسلہ : محمد اختر اعوان، جگہ نا معلوم

☺ ماں نے بیٹے سے کہا: ''آج تمھارے ابو کے افسر کی دعوت ہے۔ تم ان کے بالوں کے بارے میں کچھ بات نہ کرنا۔''

افسر کے آنے کے بعد بچے نے ان کے سامنے ہی ماں سے کہا: ''امی جان! آپ تو کہہ رہی تھیں کہ ان کے بالوں کے بارے میں کچھ مت کہنا، مگر ان کے تو بال ہی نہیں ہیں۔''

مرسلہ : کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

ناکام منصوبہ

حافظ عبدالجبار سیال

جنگل کے قریب ایک چھوٹی سی آبادی تھی۔ اسی بستی کے ایک گھر میں امانت خاں اپنے بستر پر پڑا کروٹیں بدل رہا تھا۔ وہ ایک محنتی لکڑہارا تھا۔ قریبی جنگل سے لکڑیاں کاٹ کر فروخت کرتا اور اپنی گزر بسر کرتا۔ آج اس نے سورج نکلنے سے بہت پہلے جنگل جانے کا فیصلہ کرلیا۔ اس نے کلہاڑا اُٹھایا، اپنے گدھے کو ساتھ لیا اور چاند کی روشنی میں چلتا ہوا جلد ہی جنگل پہنچ گیا۔ ایک گھنے درخت کے نیچے جا کر وہ رک گیا۔ اسے درخت کے تنے میں کوئی چیز دکھائی دی۔ پہلے تو وہ گھبرا گیا کہ شاید یہ کوئی خطرناک جنگلی جانور ہے، مگر کوئی حرکت نہ ہونے کی وجہ سے وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اس نے ایک پتھر اُٹھا کر اسے زور سے مارا۔ ٹک کی آواز سنائی دی، امانت خاں کو یقین ہو گیا کہ یہ کوئی جانور نہیں ہے۔ اس نے قریب جا کر اسے اُٹھالیا۔

وہ ایک چھوٹی سی خوب صورت صندوقچی تھی۔ اسے کھول کر دیکھا تو وہ حیران رہ گیا۔ صندوقچی سونے کے زیورات، ہیروں اور اشرفیوں سے بھری ہوئی تھی۔ بستی کے سب لوگ غریب تھے۔ امانت خاں سمجھ گیا کہ یہ صندوقچی گاؤں کے کسی شخص کی نہیں ہوسکتی۔ اس نے صندوقچی ایک طرف رکھ دی اور خود لکڑیاں کاٹنے میں مصروف ہو گیا۔

وہ ایک ایمان دار شخص تھا۔ اسے رہ رہ کر یہ خیال ستا رہا تھا کہ وہ اصل مالک تک یہ صندوقچی کیسے پہنچا پائے گا؟

اُدھر بادشاہ کے دربار میں کھلبلی مچی ہوئی تھی اور یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پھیل چکی تھی کہ شہزادی کی ایک قیمتی صندوقچی گم ہو گئی ہے۔

جنگل میں صندوقچی چھپانے کا یہ کام صادق خاں اور اس کے ساتھیوں کا تھا۔ صادق خاں پر بادشاہ بہت اعتماد کرتا تھا، مگر یہ لالچی قسم کا شخص تھا۔ اس وقت جب بادشاہ کا قافلہ دوسرے شہر جاتے ہوئے جنگل سے گزر رہا تھا تو اس نے ہوشیاری سے وہ صندوقچی چُرا کر درخت کے کھوکھلے تنے میں چھپا دی۔

صادق خاں کے ساتھی جب اگلے دن وہاں پہنچے تو ان کے پاؤں تلے زمین نکل گئی۔ صندوقچی اپنی جگہ پر موجود نہیں تھی۔ انھوں نے آ کر صادق خاں کو اس کی اطلاع دی۔ یہ سنتے ہی وہ غصے سے پاگل ہو گیا۔ اس نے سوچا تھا کہ اگر معاملہ کچھ دن کے بعد ٹھنڈا پڑ گیا تو وہ صندوقچی کو اپنے پاس رکھ لے گا اور اگر معاملہ نہ دبا تو وہ بادشاہ کو صندوقچی یہ کہہ کر واپس کر دے گا کہ اس نے اسے جنگل میں تلاش کیا ہے۔ اس طرح وہ انعام بھی وصول کر لے گا۔

بادشاہ خود بھی اس معاملے میں بہت پریشان تھا اور اس پریشانی کی خاص وجہ یہ بھی تھی کہ ملک کے خفیہ منصوبوں کے کاغذات بھی وقتی طور پر اسی صندوقچی میں رکھ دیے تھے۔ بادشاہ کو یہ فکر کھائے جارہی تھی کہ اگر یہ کاغذات دشمن ملک کے کسی آدمی کے ہاتھ لگ گئے تو ملک کی تباہی میں دیر نہ لگے گی۔

دوسرے دن امانت خاں جنگل میں لکڑیاں تلاش کرتے کرتے بہت دور نکل گیا۔ شام کو جب وہ اس درخت کے پاس سے گزرنے لگا، جہاں سے اسے صندوقچی ملی تھی۔ اس نے کچھ لوگوں کو باتیں کرتے ہوئے سنا۔ وہ لوگ صندوقچی کے متعلق ہی گفتگو کر رہے تھے۔ امانت خاں نے پہلے تو سوچا کہ وہ فوراً جا کر ان کو صندوقچی کے بارے میں سب کچھ بتا دے۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ یہ لوگ کہیں ڈاکو اور لٹیرے ہی نہ ہوں۔ وہ چھپ کر ان کی باتیں سننے لگا۔ یہ لوگ صادق خاں اور اس کے ساتھی تھے۔ امانت خاں کو ان کے سارے منصوبے کا علم ہو گیا۔ وہ آنکھ بچا کر وہاں سے چلا گیا۔

اگلے دن امانت خاں بادشاہ کے محل کی طرف روانہ ہو گیا۔ بادشاہ نے اسے محل میں آنے کی اجازت دے دی۔ امانت خاں نے بادشاہ سے سرگوشی کے انداز میں کہا: ''بادشاہ سلامت! آپ کی ایک قیمتی صندوقچی گم ہو گئی ہے، میں اسے لے کر آیا ہوں۔''

بادشاہ یہ سنتے ہی اُچھل پڑا۔ امانت خاں نے صندوقچی سامنے رکھ دی۔ بادشاہ نے صندوقچی کھولی تو اس کے اندر نظر ڈالنے کے بعد سکون کا ایک گہرا سانس لیا۔ اس میں تمام چیزیں بحفاظت موجود تھیں۔ امانت خاں نے صادق خاں اور اس کے ساتھیوں کے منصوبے کے متعلق تفصیل سے آگاہ کیا۔

بادشاہ نے کہا: ''نوجوان! اگر تم چاہتے تو اس صندوقچی کو اپنے پاس بھی رکھ سکتے

تھے۔ اس میں جتنا خزانہ ہے، وہ تمھاری آنے والی نسلوں کے لیے بھی کافی تھا۔''

امانت خاں نے جواب دیا: ''حضور! میں نے ہمیشہ اپنے ہاتھ سے محنت کر کے، کما کر کھایا ہے۔ اگر میں اس امانت میں خیانت کرتا تو خدا کو کیا جواب دیتا۔''

''شاباش نوجوان!'' بادشاہ نے خوش ہو کر کہا۔

اگلی صبح جب لوگ بادشاہ کے دربار میں آئے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ صادق خاں اور اس کے ساتھی بیڑیوں میں جکڑے ہوئے تھے اور ایک اجنبی بادشاہ کے ساتھ تخت پر بیٹھا تھا۔ بادشاہ نے اپنے قریب بیٹھے اجنبی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ امانت خاں ہے اور پھر ساری بات لوگوں کو بتائی اور امانت خاں کو ڈھیر سارا انعام دے کر رخصت کیا۔ ☆

نونہال مصور
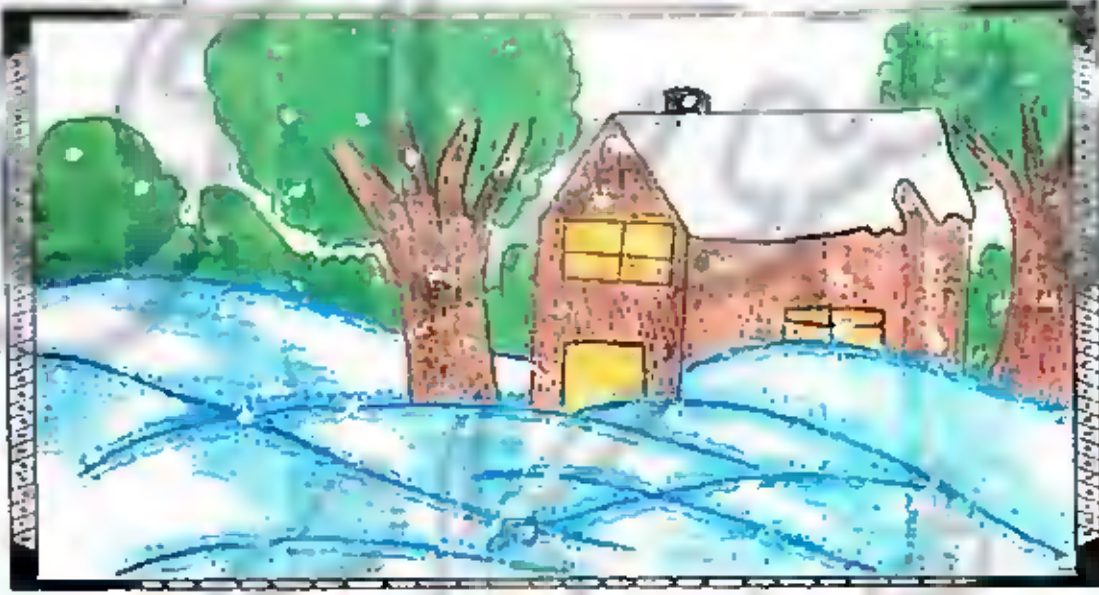
لائبہ حورین، ارحہ حورین، بہاول نگر

مبشر اور منیبہ فیصل، حیدر آباد

رحیم شاہ، قیوم آباد

عرشیہ نوید، کراچی

عبداللہ ثاقب، واہ کینٹ

یسریٰ حسین، اورنگی ٹاؤن

فائزہ کامل، محمود آباد

تصویر خانہ

سمیہ وسیم، سکھر

سیدہ منابل حسن عابدی، پنڈدادن خان

طلحہ انور حسن، حیدر آباد

سید محمد موسیٰ، کراچی

محمد حمزہ شریف، کراچی

رمیلہ، میر پور خاص

منتظر خان ابڑو، لاڑکانہ

ایمان خان، گلشنِ اقبال

بیت بازی

ہوائے تند میں ٹھہرا نہ آشیاں اپنا
چراغ جل نہ سکا زیرِ آسماں اپنا

شاعر: یاس یگانہ چنگیزی   پسند: عدیلہ ناز، لاہور

عیب اوروں کے سدا ڈھونڈنے والو! تم نے
دل کے آئینے میں دیکھا کبھی چہرہ اپنا

شاعر: انجم شادانی   پسند: کمیل رضا، نارنگ منڈی

میں نے مہتاب کی کرنوں سے بچایا تھا جسے
دھوپ اوڑھے ہوئے پھرتا ہے وہ بازاروں میں

شاعر: محسن نقوی   پسند: حماد انیس، لانڈھی

وہ چمن، جسے ہم نے خونِ دل سے سینچا تھا
اس پہ حق جتاتی ہیں آج بجلیاں اپنا

شاعر: حبیب جالب   پسند: شائلہ ذیشان، ملیر

ہماری دربدری کا یہ ماجرا ہے کہ ہم
مسافروں کی طرح اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

شاعر: احمد فراز   پسند: کومل فاطمہ اللہ بخش، کراچی

کھلا ہے سچ کا بازار، آؤ سچ بولیں
نہ ہو بلا سے خریدار، آؤ سچ بولیں

شاعر: قتیل شفائی   پسند: محمد ریان، کراچی

بات اپنی تمھیں نہ یاد رہی
خیر جانے دو، کوئی بات نہیں

شاعر: فضل احمد کریم فضلی   پسند: نوشاد بلال، نواب شاہ

رات بھر بیٹھے رہے دیدۂ بیدار کے ساتھ
ظلمتیں کم نہ ہوئیں، صبح کے آثار کے ساتھ

شاعر: ظہیر کاشمیری   پسند: امین الدین، کوئٹہ

بن جائے گا وہ دکھ میرا، انسانیت کا دکھ
جب دوستوں کا درد بھی اس میں سما جائے گا

شاعر: عزیز منصور   پسند: انیلا شیخ، بدین

کہاں کہاں نہ ہوئے تبصرے گناہوں کے
کیسے کیسے نہ فسانے مرے سنائے گئے

شاعر: سید مقبول عابدی   پسند: اریبہ کمال، ملتان

رنجشوں میں تھا کھوٹ کا عنصر
کیسے ہوتا اثر دعاؤں میں

شاعر: سلیم شاکر   پسند: نیاز عبداللہ، سکھر

محبت کی صدا کیسے سنے گا
کہ یہ انسان، اسیرِ مال و زر ہے

شاعر: نعیم حیدر   پسند: خرم خان، نارتھ کراچی

میرے لیے تو سانس بھی لینا محال ہے
یہ کون زندگی کی دعا دے گیا مجھے

شاعر: حسین سحر   پسند: فرخ سہیل، فیصل آباد

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ
ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

شاعر: ثاقب لکھنوی   پسند: دوست محمد، لاڑکانہ

ادیبوں کے لطیفے

جوش ملیح آبادی

۱۔ عبدالحمید عدم کو کسی صاحب نے ایک بار جوش ملیح آبادی سے ملایا اور کہا: ''یہ عدم ہیں۔'' عدم کافی جسامت والے آدمی تھے۔ جوش نے ان کے ڈیل ڈول کو بغور دیکھا اور کہنے لگے: ''عدم یہ ہے تو وجود کیا ہوگا؟''

۲۔ جوش نے پاکستان میں ایک بہت بڑے وزیر کو اردو میں خط لکھا، لیکن اس کا جواب انھوں نے انگریزی میں دیا۔ جواب میں جوش نے انھیں پھر لکھا: ''جناب والا! میں نے تو آپ کو اپنی مادری زبان میں خط لکھا تھا، لیکن آپ نے اس کا جواب اپنی پدری زبان میں تحریر فرمایا ہے۔''

۳۔ جوش صاحب کے ایک دوست سے بہت اچھے تعلقات تھے۔ کئی روز کی غیر حاضری کے بعد جب وہ ملنے آئے تو جوش صاحب نے وجہ پوچھی۔ وہ کہنے لگے: ''کیا بتاؤں جوش صاحب! پہلے ایک گردے میں پتھری تھی۔ اس کا آپریشن ہوا تو اب دوسرے گردے میں پتھری ہے۔''

جوش صاحب نے مسکراتے ہوئے کہا: ''میں سمجھ گیا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو اندر سے سنگسار کر رہا ہے۔''

۴۔ کسی مشاعرے میں ایک نئے شاعر صاحب اپنا غیر موزوں کلام پڑھ رہے تھے۔ اکثر شعرا آدابِ محفل کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاموش تھے، لیکن جوش صاحب پورے جوش و خروش سے ایک ایک مصرعے پر داد و تحسین کی بارش کیے جا رہے تھے۔ گوپی ناتھ امن نے ٹوکتے

ہوئے پوچھا: ''قبلہ! یہ آپ کیا کر رہے ہیں؟''

جوش صاحب نے بہت سنجیدگی سے جواب دیا: ''منافقت۔'' اور پھر داد دینے میں مصروف ہو گئے۔

شوکت تھانوی

ا۔ پنجاب یونی ورسٹی کے رجسٹرار ایس پی سنگھا کے گیارہ بچوں کے نام کا آخری حصہ ''سنگھا'' تھا۔ جب ان کے ہاں بارھواں لڑکا پیدا ہوا تو شوکت تھانوی سے مشورہ کیا کہ اس کا کیا نام رکھوں۔

شوکت تھانوی نے بے ساختہ کہا: ''آپ اس کا نام بارہ سنگھا رکھ دیجیے۔''

۲۔ ایک ناشر نے کتابوں کے نئے گاہک سے شوکت تھانوی کا تعارف کراتے ہوئے کہا: ''آپ جس شخص کا ناول خرید رہے ہیں، وہ یہی ذات شریف ہیں، لیکن یہ چہرے سے جتنے بے وقوف معلوم ہوتے ہیں، اتنے ہیں نہیں۔''

شوکت تھانوی نے فوراً کہا: ''جناب! مجھ میں اور میرے ناشر میں یہی بڑا فرق ہے۔ یہ جتنے بے وقوف ہیں، چہرے سے معلوم نہیں ہوتے۔''

اسرارالحق مجاز

ا۔ مجاز اور فراق کے درمیان کافی سنجیدہ گفتگو ہو رہی تھی۔ ایک دم فراق کا لہجہ بدلا اور انھوں نے ہنستے ہوئے پوچھا: ''مجاز! تم نے کباب بیچنے کیوں بند کر دیے؟''

''آپ کے ہاں سے گوشت آنا جو بند ہو گیا۔'' مجاز نے اسی سنجیدگی سے فوراً جواب دیا۔

۲۔ مجاز تنہا کافی ہاؤس میں بیٹھے تھے کہ ایک صاحب جو ان کو جانتے نہیں تھے، ان کے ساتھ والی کرسی پر آ بیٹھے۔ کافی کا آرڈر دے کر انھوں نے اپنی بے سُری آواز

میں گنگنانا شروع کیا: ''احمقوں کی کمی نہیں غالب - ایک ڈھونڈو، ہزار ملتے ہیں۔''

مجاز نے ان کی طرف دیکھتے ہوئے کہا: ''ڈھونڈنے کی نوبت ہی کہاں آتی ہے حضرت! خود بخود تشریف لے آتے ہیں۔''

۳۔ کسی صاحب نے ایک بار مجاز سے پوچھا: ''کیوں صاحب! آپ کے والدین آپ کی بے اعتدالیوں پر کچھ اعتراض نہیں کرتے؟''

مجاز نے کہا: ''جی نہیں۔''

پوچھنے والے نے کہا: ''کیوں؟''

مجاز نے کہا: ''لوگوں کی اولاد سعادت مند ہوتی ہے، مگر میرے والدین سعادت مند ہیں۔'' ☆

پیارے بچو!

شمس القمر عاکف

تم سے ہے باغِ جہاں کی رونق
تم نہ ہوتے تو کہاں کی رونق

تم جہاں کھیلتے ہنستے موجود
دیکھنے والی وہاں کی رونق

آسماں کی ہے چمک تاروں سے
اور تم سے ہے یہاں کی رونق

تم سے ماں باپ کی ہستی قائم
تم سے ہے اُن کے جہاں کی رونق

تم سے ہے میری نظر کی ٹھنڈک
ہے تمھی سے مری جاں کی رونق

تم کو موضوعِ سخن جب رکھا
بڑھ گئی میرے بیاں کی رونق

اللہ کا دوست

محمد شاہد حفیظ

میں ایک استاد ہوں اور میرا مضمون اسلامیات ہے۔ نئے اسکول میں آج میرا پہلا دن تھا۔ اسی وجہ سے خوشی بھی تھی اور ڈر بھی۔ اسی خوشی میں، میں نے ناشتا بھی برائے نام کیا اور وقت سے کچھ دیر پہلے ہی اسکول پہنچ گیا۔ پرنسپل صاحب سے ملنے کے بعد مجھے ایک کلاس میں بھیج دیا گیا۔ کلاس روم میں خوب شور ہو رہا تھا۔ تمام بچے اپنی عادت و فطرت کے مطابق زور زور سے باتیں کر رہے تھے۔ میں نے کمرے میں قدم رکھا تو سب کو سانپ سونگھ گیا۔ سب کے سب خاموشی سے سیدھے بیٹھ گئے۔ پھر اچانک کلاس کی دائیں جانب سے ''کلاس اسٹینڈ'' کی آواز گونجی۔ یہ یقیناً کلاس مانیٹر تھا۔ اس کی آواز سن کر سب بچے باادب کھڑے ہو گئے۔

''سِٹ ڈاؤن پلیز۔'' میں نے ہاتھ سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

سب بیٹھ گئے۔

''شاید آپ جانتے ہوں کہ اب، میں آپ کو اسلامیات پڑھایا کروں گا۔''

''یس سر!'' چند بچوں کی آواز آئی۔

''آج پہلی بار آپ کی کلاس لے رہا ہوں، اسی لیے آج کچھ نہیں پڑھاؤں گا۔ پہلے میں اپنا تعارف کراؤں گا، پھر ایک ایک کر کے آپ سب کے بارے میں جاننا چاہوں گا۔''

استاد کا شاگردوں سے بڑا گہرا تعلق ہوتا ہے۔ استاد معلم ہے اور اس کا کام

علم و آگہی دینا ہے۔ یہی کام گھر میں ماں باپ بھی کرتے ہیں۔ اسی لحاظ سے کہا جاتا ہے کہ استاد باپ کی جگہ ہوتا ہے، لیکن میرے نزدیک استاد ہی بہترین دوست ہے۔ شاگردوں کو استاد کا احترام کرتے ہوئے اس سے بے تکلف بھی ہونا چاہیے، تاکہ وہ اپنے مسائل پر استاد سے بات کرسکیں۔ اس سے مشورہ کرسکیں اور استاد ان کی راہنمائی کرسکے۔''

چند لمحے کلاس میں خاموشی چھائی رہی پھر کچھ ملی جلی آوازیں اُبھریں۔

''تھینک یو سر!''

''اب میں اپنا تعارف کرادوں۔ میرا نام شہاب حیدر ہے۔ صحافت میں ایم۔اے کیا ہے، مگر عملی طور پر تدریسی میدان میں آ گیا۔ پڑھانا میرا شوق ہی نہیں، بلکہ اس سے مجھے دلی اطمینان ہوتا ہے۔ میں نے اسلامیات کا مضمون اس لیے منتخب کیا ہے کہ آپ کو حقیقی اسلام سے آگاہ کروں اور آپ کو محبِّ وطن شہری بناؤں۔ اب آپ لوگ باری باری اپنا تعارف کرادیں۔'' میں نے پہلی قطار میں داہنی جانب بیٹھے لڑکے کی طرف اشارہ کیا۔

''سر! میرا نام عمر احمد ہے۔ میرے ابو کا نام حیات احمد ہے۔ وہ ایک بینک منیجر ہیں۔''

اس کے والد کا سن کر ساری کلاس پر رعب طاری ہو گیا۔ اتنے میں دوسرا لڑکا کھڑا ہو گیا۔

''سر! میرا نام حمزہ ہے۔ میرے ابو ایک پرائیویٹ فرم میں جنرل منیجر ہیں۔''

''اوہ...... یہ بھی منیجر......'' میرے منہ سے نکلا۔

اس کے بعد تیسرا لڑکا کھڑا ہوا۔ وہ بھی پہلے دونوں سے کم نظر نہیں آ رہا تھا۔

''مجھے ذیشان کہتے ہیں۔ میرے ابو ایک تاجر ہیں ان کا کپڑے کا کاروبار ہے۔''

ان سب کے تعارف میں حیران کن بات ان کا خاندانی پس منظر تھا، جسے وہ فخریہ انداز میں بیان کر رہے تھے۔ یہ بات مجھے اچھی نہ لگی۔ آگے بھی تعارف ہوا تو تمام لڑکے اعلا اور کھاتے پیتے گھرانوں کے چشم و چراغ ثابت ہوئے، کیوں کہ یہ ایک منہگا اور معیاری اسکول تھا۔ غریب لوگوں کے بچے تو اس کا صرف سوچ سکتے تھے۔

ابھی انھی خیالوں میں مگن تھا کہ ایک لڑکا جو لائن کے آخری ڈیسک پر بیٹھا تھا، اُٹھ کھڑا ہوا۔ اس کا چہرہ اعتماد سے خالی نظر آرہا تھا۔ میں نے اس سے تعارف کے لیے کہا تو وہ قدرے ہچکچاتے ہوئے بولا: ''سر! میرا نام محمد علی ہے۔ میرا تعلق ایک عام سے گھرانے سے ہے۔'' کلاس کے تمام لڑکے اس کی طرف دیکھنے لگے تو وہ شرمندہ سا ہو گیا۔

''آپ کے ابو کیا کام کرتے ہیں؟'' میں نے تجسس سے پوچھا۔

''جی...... جی...... وہ...... اللہ کے دوست ہیں۔''

اس کا جواب سن کر کلاس میں قہقہے گونجنے لگے، مگر میری سنجیدگی دیکھ کر خاموش ہو گئے۔

''اللہ کے دوست...... وہ کیسے! کیا آپ اس کی وضاحت کریں گے؟''

جی وہ محنت مزدوری کرتے ہیں۔ ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ ہاتھ سے کمانے والا اللہ کا دوست ہے تو میرے ابو بھی اللہ کے دوست ہوئے، کیوں کہ وہ اپنے ہاتھ سے کماتے ہیں۔ وہ سارا دن محنت مزدوری کرتے ہیں، تاکہ میری فیس ادا کر سکیں اور مجھے بہتر سے بہتر تعلیم دلوا سکیں۔ وہ کہتے ہیں تم خوب محنت کرو اور بڑے آدمی بننا۔''

اس کا جواب سن کر میں حیران رہ گیا۔ اس قدر پختہ یقین کا بچہ دیکھ کر دل کو سکون ملا۔ میں نے اسے شاباش دی اور پوری کلاس سے مخاطب ہوا: ''واقعی ہاتھ سے کمانے والا اللہ کا دوست ہوتا ہے۔ محنت کی عظمت اور برکت سے کون واقف نہیں ہے۔ آپ کے ابو کا مقام بہت بلند ہے۔ آپ کو اس پر فخر ہونا چاہیے۔ کئی انبیائے کرام بھی اپنے ہاتھ کی کمائی کھایا کرتے تھے۔''

میں نے محسوس کیا کہ میری بات کا پوری کلاس پر اثر ہو رہا ہے اور مجھے خوشی تھی کہ میں پوری کلاس کو محنت کی عظمت سمجھانے میں کام یاب ہوا۔

☆☆☆

سب کی پسند

احمد عدنان طارق

بادشاہ سلامت کو آج کل ایک جانور پالنے کا شوق ہو رہا تھا اور وہ نہیں چاہتے تھے کہ کتے یا بلی جیسا کوئی عام جانور پالیں، جو ہر کوئی پال سکتا ہے۔ وہ کوئی ایسا جانور پالنا چاہتے تھے، جو آج تک کسی نے نہ پالا ہو۔ پالتو جانور ایسا ہو، جو ایک بادشاہ کے شایانِ شان ہو اور اس کے ساتھ رہتا ہوا اچھا بھی لگے۔ انھوں نے پالتو جانوروں کی دکان کے مالک کو طلب کیا اور ایک اچھا اور الگ قسم کا پالتو جانور محل بھجوانے کی ہدایت کی۔ دکان کے مالک نے بادشاہ کو بتایا کہ اس کے پاس ایک ایسا چمک دار جلد والا سانپ ہے، جو جہاں پناہ کو ضرور پسند آئے گا۔ وہ سانپ نہ زہریلا ہے اور نہ کاٹتا ہے۔ بادشاہ سلامت نے یہ سن کر خوشی کا اظہار کرتے ہوئے دکان دار کو فوراً سانپ بھجوانے کا کہا۔

سانپ واقعی بہت خوب صورت تھا۔ اس کی جلد سورج کی روشنی میں چمکتی ہوئی بہت خوب صورت لگتی تھی۔ سانپ بادشاہ کے دل کو بھا گیا۔ اس نے سوچا کہ کسی بادشاہ کے پاس اس قسم کا پالتو جانور ہونا چاہیے۔ اس نے سانپ کی کمر سہلائی تو وہ بھی خوشی سے اپنی مخصوص آواز نکالنے لگا۔

بادشاہ کو سانپ کی شرارتیں دیکھ کر بہت مزہ آ رہا تھا۔ سانپ باورچی خانے کی الماری میں چھپ کر بیٹھ جاتا۔ جب باورچی الماری کھولتا، سانپ دیکھ کر باورچی کی جان نکل جاتی۔ اکثر سانپ باغیچے کی گھاس میں چھپ جاتا اور اس کی وجہ سے مالی ڈر کے مارے کسی درخت کی شاخ پر جا بیٹھتا۔ بادشاہ کا ایک نوکر بازار سے سبزی لاتے ہوئے کئی دفعہ سانپ کی شرارتوں کا شکار رہا۔

سونے کا وقت تھا۔ بادشاہ نے سونے والے کپڑے پہنے اور اپنے دانت صاف کیے۔ اس نے سانپ کو ڈھونڈا، لیکن وہ اسے نہ ملا۔ اس نے سوچا کہ سانپ چھپا ہوا ہے اور اسے ڈرانے کی کوشش کرے گا۔ وہ اپنے بستر پر لیٹا اور لحاف کھولا تو سانپ نے پھنکارتے ہوئے اس پر چھلانگ لگائی۔ بادشاہ سلامت ڈر کر بستر سے نیچے جا گرے اور ان کی پیٹھ پر اچھی خاصی چوٹ لگ گئی۔

صبح بادشاہ نے دکان دار کو طلب کیا اور کہا: ''یہ سانپ ان کے بس کی بات نہیں۔ مجھے اس کے بجائے کوئی توتا پالنے کے لیے دے دو۔''

دکان دار نے انھیں بولنے والا جو توتا دیا وہ بھی بہت خوب صورت اور نایاب تھا۔ اس کے پَروں کا رنگ سرخ، سبز، نیلا اور پیلا تھا۔ اس کی آنکھیں چمک دار اور ناک مڑی ہوئی تھی۔ بادشاہ کو بھی ایسا لگا جیسے اس کی پسند کا پالتو جانور مل گیا ہے۔ توتا اُڑ کر بادشاہ کے کندھے پر جا بیٹھا۔ محل کے صحن میں بادشاہ کا جرنیل اپنے فوجی دستوں کو پریڈ کروا رہا تھا۔ اس نے فوجیوں کو زور سے حکم دیا: ''کوئیک مارچ!''

توتے نے یہ سن کر فوراً جرنیل کے حکم کی نقل اُتارتے ہوئے کہا: ''کوئیک مارچ!'' بادشاہ یہ سن کر باغ باغ ہوگیا۔ وہ یہ بھول ہی گیا تھا کہ یہ توتا بولنے والا ہے۔ بادشاہ نے حکم دیا کہ توتا جو کہے اس کی تعمیل کی جائے۔

فوجی پریڈ کے دوران جرنیل نے حکم دیا: ''دائیں مڑو۔'' توتے نے فوراً نقل اُتارتے ہوئے کہا: ''دائیں مڑو۔''

بادشاہ نے توتے کے پَروں کو سہلایا اور کہا: ''مجھے اُمید ہے کہ تم ایک اچھے پرندے ثابت ہوگے۔''

بادشاہ سلامت بڑی دیر تک کھڑے ہو کر فوجیوں کی پریڈ دیکھتے رہے اور توتا ان کے شانے پر بیٹھ کر جرنیل کے احکامات یاد کرتا رہا۔ آخر جرنیل نے فوجی دستوں کو کھڑا ہونے کا حکم دیا اور خود کسی کام سے چلا گیا۔ اب فوجی دستے پُرسکون قطار میں کھڑے تھے۔

اچانک توتے نے حکم دیا: ''کوئیک مارچ۔'' یہ سن کر فوجی دستے حرکت میں آ گئے اور پریڈ کرنے لگے۔

توتے نے اگلا حکم دیا: ''دائیں مڑو۔'' فوجی اس کے حکم کے مطابق دائیں مڑ گئے اور سیدھے چلتے چلتے راستے میں آئی دیوار سے جا ٹکرائے اور ٹکرانے کے بعد لگنے والی چوٹوں سے وہیں بیٹھ گئے۔

توتا چلایا: ''پیچھے مڑو۔'' اور پھر کہا: ''تیز دوڑو۔'' فوجی واپس مڑے اور دوڑنے لگے۔ جس سے ان کی تلواریں آپس میں ٹکرا گئیں۔

بادشاہ سلامت کے قہقہے تھے کہ رکنے کا نام نہیں لے رہے تھے۔ جرنیل نے شور سنا تو واپس آیا اور یہ تماشا دیکھ کر چلایا: ''یہ کیا ہو رہا ہے؟'' اس دوران بادشاہ باغ کے اندر چلا گیا۔ توتا اس کے شانے پر اپنے پنجے گاڑے مضبوطی سے بیٹھا ہوا تھا۔ جرنیل توتے کی شکایت کرنے کے لیے بادشاہ کو تلاش کر رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا: ''توتے میاں! ہمیں جرنیل یہاں نہیں ڈھونڈ سکتا۔'' بادشاہ نے تو یہ فقرہ توتے سے سرگوشی میں کہا تھا، لیکن توتے نے یہی فقرہ پورے زور سے ادا کیا: ''توتے میاں! ہمیں جرنیل یہاں نہیں ڈھونڈ سکتا۔'' یہ فقرہ ادا ہوتے ہی بادشاہ نے جرنیل کے بھاری بوٹوں کی آواز سنی۔

بادشاہ نے توتے کی چونچ پر اُنگلی رکھ کر کہا: ''شیش...... خاموش۔'' لیکن توتا کب

چپ رہنے والا تھا۔ فوراً بولا: ''شیش...... خاموش۔''

بادشاہ نے دوبارہ آہستگی سے اسے کہا: ''چپ رہو، ورنہ جرنیل سن لے گا۔''

لیکن توتے نے اتنی ہی اونچی آواز نکالی: ''چپ رہو ورنہ جرنیل سن لے گا۔''

بوٹوں کی چاپ ان کے نزدیک آنے لگی اور باغ کے دروازے کے باہر آکر خاموش ہوگئی۔ جرنیل کی آواز آئی: ''بادشاہ سلامت! کہاں ہیں آپ؟''

اندر سے توتے نے پکارا: ''بادشاہ سلامت! کہاں ہیں آپ؟'' بادشاہ نے توتے کو گھورا۔ اسے ایسا احمق پرندہ نہیں چاہیے تھا جو اس کا راز بھی نہ رکھ سکے۔ وہ باغ کے دروازے سے باہر نکل آیا۔

جرنیل بہت ناراض دکھائی دیتا تھا۔ بادشاہ نے فوراً فیصلہ کیا کہ وہ توتے کو نہیں رکھ سکتا۔ اس بار بادشاہ خود جانوروں کی دکان پر پہنچ گیا۔ دکان دار بادشاہ اور توتے کو دیکھ کر بہت حیران ہوا۔ اس نے ادب سے پوچھا کہ اب توتے کا کیا مسئلہ ہے؟ تو بادشاہ نے بتایا کہ یہ احمق توتا بہت بولتا ہے۔

دکان دار نے ادب سے سر جھکایا اور پوچھا: ''بادشاہ سلامت! اب کون سا جانور چاہیے؟''

بادشاہ نے تمام دکان کا جائزہ لیا۔ دکان پالتو جانوروں سے بھری ہوئی تھی۔ اسے سخت جلد اور تیز دانتوں والا مگرمچھ بہت پسند آیا۔ اسے گرگٹ کا رنگ بار بار بدلنا بہت پسند تھا۔ اسے دریائی گھوڑا بھی بھا گیا، کیوں کہ جب بادشاہ اس کے پیٹ میں گدگدی کرتا تو وہ زور سے جمائی لیتا۔ اسے اُلٹا لٹکا ہوا چمگادڑ بھی اچھا لگا، لیکن اسے اندازہ تھا کہ یہ جانور محل میں جا کر اس کے لیے مشکل پیش کریں گے۔ آخر اس نے ایک بھورے رنگ کے چھوٹے سے بندر کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اسے غور سے دیکھنے کے لیے جھکا تو بندر

اُچھلنے لگا۔ اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا اور بادشاہ کی اُنگلی تھام لی۔

بادشاہ فوراً بولا: ''مجھے یہی بندر چاہیے اور میں اسے ''نمو'' کے نام سے پکاروں گا۔''

محل واپس آنے تک بندر بادشاہ سلامت کے بازو سے کسی انسان کے بچے کی طرح لپٹا رہا۔ محل میں داخل ہونے سے پہلے ہی تیز ہوائیں چلنے لگیں۔ تھوڑی دیر میں انتہائی تیز ہواؤں کا طوفان آ گیا۔ نمو بادشاہ کے بازو میں کانپ رہا تھا۔

بادشاہ نے کہا: ''نمو! فکر نہ کرو تم میرے پاس حفاظت سے ہو اور میں تمھیں ہوا میں اُڑنے نہیں دوں گا۔'' تبھی ہوا میں تندی اور بڑھ گئی اور بادشاہ کا تاج اس کے سر سے ہوا میں بلند ہو گیا۔ بادشاہ کا جرنیل اور فوجی بھاگ کر بادشاہ کو حفاظت سے محل کے صحن میں لے آئے۔ بادشاہ کا تاج ہوا میں اُڑتا ہوا چکر لگا رہا تھا۔ پھر تیز ہوا بادشاہ کے تاج کو اُونچا اُڑا کر محل کے میناروں سے بھی اوپر لے گئی۔

باورچی بادشاہ کی پسند کی پڈنگ بنا رہا تھا وہ پڈنگ والا برتن ہاتھ میں تھامے شور مچا رہا تھا: ''شاہی تاج کو ہوا اُڑا کر لے گئی لوگو! بھاگو...... کچھ کرو۔''

مالی باغیچے میں کھڑا چیخ رہا تھا: ''ارے دوڑو، سیڑھی لاؤ۔'' صفائی والے ملازم ہوا میں جھاڑن لہرا لہرا کر زور زور سے کہہ رہے تھے کہ شاہی تاج کو کسی طرح اُڑنے سے بچایا جائے۔

پھر اچانک ہوا کی تیزی میں کمی آنے لگی اور شاہی تاج نیچے آنے لگا۔ وہ گھومتا، چکر کھاتا تیزی سے نیچے کی طرف آتے ہوئے شاہی محل کے سب سے اونچے مینار پر اٹک گیا۔

بادشاہ سلامت سوچ رہے تھے کہ اب شاہی تاج اتنی اونچائی سے نیچے نہیں اُتارا جا سکتا، کیوں کہ لمبی سے لمبی سیڑھی بھی اتنی اونچائی تک نہیں پہنچ سکتی۔

اچانک نمو، بادشاہ کے بازو سے پُھدک کر اُترا۔ اس نے دوڑ کر شاہی محل کا صحن

عبور کیا اور پھر محل کی دیواروں پر چڑھنے لگا۔ وہ دیواروں کی کگروں پر چل رہا تھا۔

بے اختیار بادشاہ نے اسے آواز دی: ''دھیان سے نمو!'' لیکن اتنی دیر میں نمو خاصا فاصلہ طے کر چکا تھا۔ وہ انتہائی پھرتی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ وہ ایک مینار پر چڑھنے لگا، جس پر شاہی تاج اٹکا ہوا تھا اور آخر وہ مینار تک پہنچ ہی گیا۔ اس نے اٹکا ہوا شاہی تاج ایک ہاتھ میں پکڑا اور دوسرے ہاتھ کی مدد سے نیچے اُترنے لگا۔

مالی چلایا: ''واہ واہ، نمو نے کمال کر دیا۔'' نمو کو نیچے اُترتے ہوئے کوئی اتنی دیر نہیں لگی۔ وہ سیدھا بادشاہ سلامت کے پاس پہنچ اور بادشاہ کے کندھے پر چڑھ گیا اور شاہی تاج بادشاہ سلامت کے سر پر سجا دیا۔

ہر کوئی خوشی سے نعرے مار رہا تھا کہ شاہی تاج محفوظ ہے۔ نمو ہیرو ہے۔ وہ نمو کے لیے تالیاں بجا رہے تھے۔ بادشاہ نے پیار سے نمو کو سر پر تھپکی دی۔ پھر بادشاہ نے سب کی طرف پُراُمید نظروں سے دیکھا اور پوچھا کہ کیا ان نعروں کا مطلب یہ ہے کہ میں نمو کو محل میں رکھ سکتا ہوں؟

سب نے یک زبان ہو کر کہا کہ کیوں نہیں، آپ ضرور محل میں نمو کو رکھ سکتے ہیں، کیوں کہ اس نے جو کارنامہ کیا ہے وہ بہادر ہی کرتے ہیں اور نمو ایسا ہی جانور ہے۔ بادشاہ کو پالتو جانور کے طور پر نمو ہی کو رکھنا چاہیے۔ وہ اس لائق ہے۔

انسان ہو یا جانور، اگر وہ دوسرے کو فائدہ پہنچائے تو وہ سب کو پسند آتا ہے۔ سانپ اور تو تاچوں کہ دوسروں کے لیے بے فائدہ تھے، اس لیے انھیں کسی نے پسند نہیں کیا۔

☆☆☆

دو باتیں

مقتدا منصور

برطانوی وزیراعظم ونسٹن چرچل اپنے سرکاری گھر کے ڈرائنگ روم میں سِگار سُلگائے گہری سوچوں میں گم چہل قدمی کر رہے تھے۔ ان کی بیگم سوفے پر بیٹھی اخبار پڑھ رہی تھیں۔ دوسرے سوفے پر بیٹی کتاب کے مطالعے میں مشغول تھی۔ کمرے میں گہرا سناٹا چھایا ہوا تھا۔ اچانک چرچل بیوی کی طرف مڑے اور کہا: ''کیا تم میرے لیے اسپینش آملیٹ تیار کر سکتی ہو؟

بیوی نے جواب دیا: ''اسپینی آملیٹ تین انڈوں سے تیار ہوتا ہے۔ آپ وزیراعظم ہیں، کیا یہ بھول گئے کہ جنگ کی وجہ سے انڈوں کی راشننگ ہو رہی ہے اور گھر کے ہر فرد کو یومیہ ایک انڈا مل رہا ہے۔ اگر میں اپنے حصے کا انڈا بھی شامل کر دوں تو بھی آملیٹ نہیں بن سکتا۔''

چرچل کی بیٹی، جو اس پوری گفتگو سے بے نیاز کتاب پڑھنے میں مگن تھی۔ اچانک اُٹھی اور اوپری منزل پر جانے کے لیے سیڑھیاں چڑھنے لگی، پھر اچانک رُک کر اس نے کہا: ''میرے حصے کا انڈا بھی ڈیڈی کے آملیٹ میں شامل کر لیں۔''

یوں وزیراعظم کی بیگم نے اسپینی آملیٹ تیار کیا، جسے کھانے کے بعد چرچل ایک بار پھر اگلے دن کی منصوبہ بندی میں محو گئے۔

اس واقعے میں دو باتیں قابلِ غور ہیں:

اول: ملک میں ہونے والی راشننگ کی کامیابی صرف عام شہریوں سے ہی نہیں ہوتی، بلکہ وزیراعظم اور ان کے خاندان کو بھی حصہ لینا پڑتا ہے۔

دوئم : سرکاری باورچی اپنی ڈیوٹی پوری کرنے کے بعد چلا جاتا ہے اور اس کے بعد باورچی خانے سے متعلق تمام کام وزیراعظم کی بیگم خود کرتی ہیں۔ ☆

وطنِ عزیز پاکستان کا دفاع - ہمارا فرض اور مشترکہ ذمے داری

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور میں محترم جنرل (ر) ذوالفقار علی خاں اور نونہال مقررین

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور

رپورٹ

سید علی بخاری

ہمدرد نونہال اسمبلی لاہور کی تقریب میں صدر ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، محترمہ سعدیہ راشد نے ''وطنِ عزیز کا دفاع، ہمارا فرض اور مشترکہ ذمے داری'' کے موضوع پر خطاب کرتے ہوئے کہا: ''۱۹۶۵ء کی جنگ پاکستان کا، بلکہ اس پورے خطے کی تاریخ کا ایک غیر معمولی واقعہ ہے، کیوں کہ اس جنگ میں پوری قوم نے دفاع میں بھرپور حصہ لے کر حُبِ وطن اور بہادری کی بے مثال تاریخ لکھی۔ اس وقت ایک عجیب وغریب فضا تھی۔ عوام میں ذرا بھی خوف و ہراس نہیں تھا، بلکہ اس کے برعکس ہر شخص کا حوصلہ بلند تھا، بزرگ اور بڑے تو تھے ہی، لیکن بچے بھی فتح ونصرت کے ترانے گا رہے تھے، ہماری فوج کے جوان اور افسر تو اپنی جانیں ہتھیلی پر رکھ کر دشمن کا مقابلہ کر ہی رہے تھے، لیکن عوام بھی ہر قربانی کے لیے دل و جان سے تیار تھے، ہماری فوج نے بے جگری، شجاعت اور شوقِ شہادت سے نہ

صرف حملہ پسپا کیا، بلکہ اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ "مومن ہے تو بے تیغ بھی لڑتا ہے سپاہی۔"
یہ جنگ در حقیقت پوری قوم نے لڑی تھی۔ وطن کی محبت کے جو مناظر ان سترہ دنوں میں دیکھنے میں آئے تھے، ان کی یاد سے آج بھی ایک نیا جذبہ اور ولولہ پیدا ہوتا ہے۔

مہمانِ خصوصی محترم جنرل (ر) ذوالفقار علی خاں تھے۔ انھوں نے کہا کہ اب تک جو جنگیں ہم پر مسلط کی گئیں، ان میں ہم نے صرف اپنا دفاع کیا۔ دفاعِ وطن صرف افواج کی بھاری تعداد سے نہیں، بلکہ قوموں کے جذبے سے کیا جاتا ہے۔

نونہال مقررین میں ثناء شعیب بٹ، دانش فاروق، آمنہ سرور، شجوہ احمد، احمد رحمٰن، سماء نور اور عائشہ خالد شامل تھے۔ اسمبلی میں مختلف اسکولوں کے نونہالوں نے ٹیبلوز اور ملی نغمے پیش کیے۔ آخر میں حسبِ روایت دعائے سعید پڑھی گئی۔

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی .... رپورٹ : حیات محمد بھٹی

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی کے اجلاس میں مہمانِ خصوصی گروپ کیپٹن (ر) محترم ایس ایم حالی تھے۔ قومی صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد کے ساتھ متولیہ ہمدرد محترمہ فاطمہ منیر احمد نے بھی خصوصی شرکت کی۔

اسپیکر اسمبلی عائشہ اسلم تھیں۔ منال شہزاد نے تلاوتِ قرآن مجید، عثمان ساحل نے حمدِ باری تعالیٰ اور عمر جاوید نے نعتِ رسولِ مقبولؐ پیش کی۔ نونہال مقررین میں تحریم منیر، محمد ابراہیم، سیدہ ایمان علی اور نوریا ایمان شامل تھیں۔

صدر ہمدرد نونہال اسمبلی محترمہ سعدیہ راشد نے کہا کہ ہر پاکستانی کا یہ بنیادی حق ہے اور اس کی فطری خواہش ہے کہ وہ آزاد فضاؤں میں سانس لے اور اسے ظاہری و باطنی طور پر

آزادی کا احساس ہو۔ اس حق، اس خواہش اور اس احساس کے لیے ضروری ہے کہ محفوظ جغرافیائی سرحدوں کے علاوہ اندرونِ ملک بھی امن وامان کی صورتِ حال تسلی بخش ہو۔ بعض حالات میں چند ''بیرونی اور اندرونی'' عناصر اپنے

ہمدرد نونہال اسمبلی راولپنڈی میں کیپٹن (ر) محترم ایس ایم حالی، محترمہ سعدیہ راشد اور نونہال مقررین

بُرے مقاصد کی تکمیل کے لیے ہماری آزادی کے دشمن ہو جاتے ہیں۔ ضروری ہے کہ چھوٹے چھوٹے اختلافات کو بھلا کر ہر پاکستانی اپنی مسلح افواج اور قانون نافذ کرنے والے دیگر اداروں کا معاون و مددگار بن جائے۔ اس کے لیے ہمیں باہمی اتحاد کی بہت بڑی مثال بننا ہوگا۔

اجلاس کے مہمانِ خصوصی محترم گروپ کیپٹن (ر) ایس ایم حالی نے کہا کہ شہید حکیم محمد سعید یقیناً جنت سے یہ منظر دیکھ رہے ہوں گے اور انھوں نے جو بیج بویا تھا وہ آج ثمر بار ہو چکا ہے۔ یقین ہے کہ ہمدرد کے یہ نونہال بہت آگے جائیں گے۔ وطن کا دفاع فوج نہیں قومیں خود کیا کرتی ہیں۔ نئی نسل کو اسلامی تعلیمات کے مطابق تیار کرنا ہوگا، کیوں کہ جنگ وہ ہے جس میں تمام چیلنجز کا ڈٹ کر مقابلہ کیا جاتا ہے۔

اس موقع پر نونہالوں نے ایک خوب صورت نغمہ، موضوع کے مطابق ایک سبق آموز خاکہ اور رنگا رنگ ٹیبلو پیش کر کے حاضرین سے داد وصول کی۔ آخر میں دعاے سعید پیش کی گئی۔

☆

آئیے مصوری سیکھیں

غزالہ امام

کوئی بھی تصویر بنانے کے لیے ذہن میں اس کا خاکہ موجود ہونا چاہیے۔ مثلاً آپ نے ایک خرگوش کو بیٹھا ہوا دیکھا ہے۔ اب اسے کاغذ پر بنانے کے لیے پہلے مرحلے میں اس کے کان بنا لیجیے۔ اس کے بعد منھ بنائیے، پھر باقی جسم بنا کر رنگ بھر دیجیے۔ پھر آس پاس گھاس بنا کر قریب ہی ایک گاجر بھی رکھ دیجیے۔ اسی طرح مشق جاری رکھیے۔

☆☆☆

مسکراتی لکیریں

ایک چوہا: ''مجھے ڈر لگ رہا ہے، وہ دیکھو شیر آ رہا ہے۔''

دوسرا چوہا: ''ڈرو نہیں، وہ ایک ہے اور ہم دو ہیں۔''

لکھنے والے نونہال

نونہال ادیب

امجد سلمان احمد، کراچی	ملائکہ خان، حیدرآباد
اقرا ایوب، کراچی	محمد حبیب الرحمٰن، کراچی
ارسلان اللہ خان، حیدرآباد	سیف اللہ کھوسو، کشمور
تحریم خان، نارتھ کراچی	وجیہہ جاوید، کوہسار
علینہ وسیم، کراچی	

پاکستان کی قومی زبان

امجد سلمان احمد، کراچی

ہمارے پیارے ملک یعنی اسلامی جمہوریہ پاکستان کی قومی زبان اردو ہے۔ بابائے قوم، بانیِ پاکستان قائداعظم محمد علی جناح نے صاف صاف اور پُر زور الفاظ میں فرمایا تھا کہ پاکستان کی قومی زبان اردو اور صرف اردو ہوگی، جو اس کی مخالفت کرے گا وہ پاکستان کا دشمن ہوگا۔

پاکستان ایک اہم اور قابلِ ذکر اور اسلامی دنیا کا ایک بہت بڑا ملک ہے۔ پاکستان کے لوگ صوبۂ پنجاب، صوبۂ سندھ، صوبۂ خیبر پختونخوا، صوبۂ بلوچستان اور شمالی علاقہ جات و آزاد کشمیر میں آباد ہیں۔ ان کی صوبائی زبان اور علاقائی بولیاں مختلف ہیں، لیکن سب کی مشترکہ اور قومی زبان ایک ہی ہے، یعنی اردو۔

اردو کے لفظی معنی لشکر کے ہیں۔ یہ ترکی کا لفظ ہے، لیکن اس میں ہندی کی سادگی، فارسی کی مٹھاس، عربی کی شان و شوکت، ترکی کی چاشنی شامل ہے۔ اس کے علاوہ اردو ایک صلح پسند زبان ہے۔ اردو دنیا کی تمام زبانوں کے اچھے اچھے اور سادہ و دل کش اور مفید الفاظ کو اپنے اندر سمونے اور جذب کرنے کی زبردست

صلاحیت رکھتی ہے۔ اس وجہ سے اردو کے الفاظ و محاورات کا ذخیرہ روز بروز بڑھتا چلا جارہا ہے۔

اردو میں ہر مشکل اور کٹھن مضمون کو سادگی سے بیان کرنے کی خوبی بھی پائی جاتی ہے۔ اس کے شاعر، ادیب، ناول نگار، افسانہ اور ڈرامہ نویس، مورخ، نقاد، محقق، صحافی اور فنکار وغیرہ اس زبان میں ایسی تخلیقات پیش کرتے رہتے ہیں جو اس کے ایک زندہ اور ترقی کرتی ہوئی زبان ہونے کا ثبوت ہے۔

قانون، سائنس، فلسفہ سمیت ہر موضوع پر اردو زبان میں کتب کا اچھا خاصا ذخیرہ موجود ہے۔

فلم، ریڈیو، ٹی وی، اخبار اور رسائل اس کے پھیلاؤ میں اپنا اپنا کردار ادا کر رہے ہیں۔ بیشتر طالب علموں کو اردو نظم و نثر سے کافی دل چسپی ہے اور ان کی کوشش ہوتی ہے کہ مانوس اور تازہ بہ تازہ تحریروں سے فائدہ اٹھائیں اور لطف بھی حاصل کریں۔

اس بات کا افسوس ہے کہ قیامِ پاکستان کے بعد سے اب تک قومی زبان اردو کو سرکاری دفاتر اور تمام مدارس میں رائج نہیں کیا جاسکا۔ جسٹس جواد ایس خواجہ کے مشورے پر موجودہ حکمرانوں نے اردو کو سرکاری سطح پر رائج کرنے کے لیے حکم صادر کر دیا ہے اور کہا ہے کہ اس زبان یعنی قومی زبان اردو کو رائج کرنے کی تدابیر بتائی اور اختیار کی جائیں۔

خدا کرے اردو کو اس کا حقیقی مقام جلد حاصل ہو جائے۔ (آمین)۔

اے میرے ہمدرد نونہال!

اقرا ایوب، کراچی

میرے پیارے ہمدرد نونہال! آج کافی عرصے بعد تمھیں پڑھا۔ پہلی بار پڑھنے پر جو خوشی محسوس ہوئی تھی، آج بھی وہی خوشی محسوس ہوئی۔ میں تیسری جماعت میں تھی، جب میں نے پہلی بار تمھیں پڑھا۔ الحمدللہ آج میں

انجینئرنگ کی طالبہ ہوں۔ میرا اور تمھارا تعلق اس وقت سے ہے جب مجھے لکھنا نہیں آتا تھا۔ تم میرے استاد ہو، جس نے مجھے اردو پڑھنا اور لکھنا سکھایا۔ میں نے اسکول کے زمانے میں بہترین اردو پڑھنے والی کا ایوارڈ بھی جیتا جو تمھاری مدد کی وجہ سے ممکن ہوا۔

میری اور تمھاری دوستی بہت پکی تھی، مگر انٹرمیڈیٹ کے بعد مصروفیت کی وجہ سے کچھ عرصے تم سے دور رہی۔ آج کافی دنوں کے بعد وہی احساس پھر سے تازہ ہوا ہے۔

محترم شہید حکیم محمد سعید سے تعارف تم نے ہی کرایا تھا اور آج وہ میری آئیڈیل شخصیت ہیں اور ان کی زندگی نونہالوں کے لیے مشعلِ راہ ہے۔

محترم جناب مسعود احمد برکاتی اور میری پیاری اور ہر دل عزیز باجی محترمہ سعدیہ راشد صاحبہ دونوں دل و جان سے تمھاری دیکھ بھال کرتے ہیں۔ ان کی اور دیگر معاونین کی محنت ہی ہے جواب تک تمھارا معیار برقرار ہے۔ ان سب کی کوشش کی وجہ سے میں اور دوسرے نونہال ایک بہترین دوست، ہمدرد نونہال سے ملاقات کرتے ہیں۔

غصہ

ارسلان اللہ خان، حیدر آباد

بظاہر ہے غصے میں جاہ و جلال
مگر در حقیقت ہے یہ اک وبال
ہے ابلیس کا اس میں شامل شرر،
جبھی تو ہے غصہ سراپا ضرر
نہیں واسطہ اس سے مجبور کا
یہ ہتھیار ہے صرف مغرور کا
ہے یہ عقل و حکمت کا یکسر عدو
کبھی آئے غصہ تو کرلو وضو
نبی پاکؐ کے ہیں جو سچے غلام
وہ غصے میں کرتے نہیں کوئی کام
جو ناراض بے جا ہو انسان سے
بچتے رہو ایسے نادان سے

یہ غصے میں رکھو ہمیشہ خیال
نہ چھوٹے کہیں دامنِ اعتدال
اگر چاہتے ہو کہ غصہ ہو دور
تو غصے میں پانی پیو تم ضرور
کریں ارسلان رب سے اپنے دعا
کہ غصے سے ہم کو ہمیشہ بچا

ہیرے کی قیمت

تحریم خان، نارتھ کراچی

مٹی کے برتن بنانے والے کے پاس ایک گدھا تھا، جو اس کی آمدنی کا ذریعہ تھا۔ اسی گدھے پر وہ سامان لاد کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جاتا تھا۔ ایک دن ایک جگہ کمہار مٹی جمع کرنے کے لیے کھدائی کر رہا تھا کہ اسے زمین سے ایک ایسا پتھر ملا، جس سے روشنی پھوٹ رہی تھی۔ وہ بہت خوش ہوا۔ اس نے سوچا کہ وہ یہ پتھر گدھے کے گلے میں ڈال دے گا، تاکہ رات کا سفر بھی آسانی سے طے ہو جائے۔

یہ پتھر ایک انتہائی قیمتی ہیرا تھا۔ اس نے گدھے کے گلے میں ڈال دیا اور اس طرح وہ آسانی سے رات کا سفر بھی طے کر لیتا تھا۔

ایک دن راستے میں ایک جوہری کی نظر اس ہیرے پر پڑی۔ اس نے اتنا قیمتی ہیرا گدھے کے گلے میں دیکھا تو حیرت اور خوشی کے ملے جلے جذبات سے کمہار سے پوچھا: ”تم نے یہ چمک دار پتھر کہاں سے لیا ہے؟“

کمہار نے بتایا: ”یہ کھدائی کے دوران زمین سے نکلا اور روشنی کے لیے میں نے گدھے کے گلے میں ڈالا ہے۔“

جوہری نے کہا: ”اس چمک دار پتھر کی کیا قیمت لو گے؟“

کمہار نے کہا: ”سات اشرفیاں دے دیں۔“

جوہری نے کہا: ”تم سو اشرفیاں لے لو۔“

جوہری کو تو اس ہیرے کی قیمت کا اندازہ تھا، اس لیے اس نے سو اشرفیاں کمہار کو دے دیں۔ جب کمہار گدھے کے گلے سے ہیرا

اُتارنے لگا تو ہیرا زمین پر زور سے گرا اور گرتے ہی ٹوٹ گیا۔ اس بیش قیمت ہیرے کا یہ حال دیکھ کر جوہری کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

کمہار نے کہا: ''اس میں رونے کی کیا بات ہے۔ ایک پتھر ہی تو تھا۔''

جوہری نے کہا: ''ہاں تمھارے لیے پتھر تھا، لیکن ہیرے کی قیمت صرف جوہری ہی جانتا ہے۔''

غرور کی سزا

ملائکہ خان، حیدرآباد

احسن ساتویں جماعت کا طالب علم تھا۔ وہ اپنے ماں باپ کے ساتھ دریا کنارے چھوٹے سے گھر میں رہتا تھا۔ وہ لوگ بہت غریب تھے۔ احسن کے ابو ایک معمولی مچھیرے تھے۔ وہ دن بھر مچھلیاں پکڑتے، مگر ان کے ہاتھ بہت کم مچھلیاں آتی تھیں۔ کبھی تو ان کے گھر میں فاقے بھی ہو جاتے تھے۔ احسن کے ماں باپ کی خواہش تھی کہ وہ احسن کو پڑھا لکھا کر ایک بڑا آدمی بنائیں۔ اس کی جماعت میں ایک اور بچہ پڑھتا تھا۔ اس کا نام رحمان تھا۔ وہ پورا احسن کی ضد تھا۔ اس کے ابو بہت بڑے تاجر تھے رحمان کا گھر بہت بڑا تھا۔ اس کو دنیا کی تمام آسائشیں حاصل تھیں۔ ان ہی باتوں نے اسے ناشکرا بنا دیا تھا۔ اسے اپنے آپ پر بہت غرور تھا۔ وہ پڑھائی میں بھی اچھا نہیں تھا۔

احسن ہمیشہ جماعت میں اول پوزیشن لیتا تھا۔ احسن اپنے حسنِ سلوک اور جماعت میں اچھی کارکردگی کی وجہ سے جماعت کا لائق ترین طالب علم بن چکا تھا۔ وہ ہمیشہ جماعت کے شرارتی لڑکوں کو سمجھاتا کہ وہ جماعت میں شرارتیں نہ کریں۔ پھر بھی وہ نہیں مانتے تو وہ ان کی شکایت ماسٹر صاحب سے کر دیتا۔ پھر ماسٹر صاحب ان بچوں کو ڈانٹتے۔ ان کی ڈانٹ کھانے والے بچوں میں رحمان بھی شامل تھا۔ اس کو ماسٹر صاحب سے ڈانٹ کیا

پڑی وہ تو احسن کا دشمن ہو گیا۔ اس نے سوچ لیا تھا کہ اگر اسے کوئی موقع ملے گا تو وہ احسن سے بدلا ضرور لے گا۔

رحمان نے بظاہر احسن سے دوستی کر لی۔ ایک ہفتے بعد اس نے احسن کو اپنے دوستوں کے ساتھ پکنک پر بلایا۔ احسن نے پہلے تو منع کر دیا، لیکن پھر رحمان کی ضد سے راضی ہو گیا۔ رحمان نے اپنے دوستوں کو بھی اپنے ساتھ ملا لیا اور وہ لوگ بھی راضی ہو گئے، کیوں کہ وہ بھی رحمان کی طرح ماسٹر صاحب سے ڈانٹ کھاتے رہتے تھے اور وہ بھی احسن سے بدلا لینا چاہتے تھے۔ انھوں نے پکنک کے بہانے احسن کو رحمان کے دوسرے بنگلے پر لے جانے کا پروگرام بنایا تھا۔ احسن نے پہلے ہی اپنے ماں باپ سے اجازت لے لی تھی۔ رحمان نے اپنے دوستوں کی مدد سے بنگلے کے پیچھے ایک بہت بڑا گڑھا کھدوا لیا تھا۔ پھر وہ لوگ احسن کو بنگلے کے پیچھے کا نظارہ دکھانے کے بہانے باہر لے آئے اور اسے دھوکے سے اس گڑھے میں گرا دیا اور اسے چھوڑ کر بنگلے میں آ گئے۔ دوسرے دن وہ لوگ اپنے اپنے گھروں کو پہنچ گئے۔

احسن بھوک اور پیاس سے نڈھال گڑھے میں پڑا تھا۔ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔ ادھر ویسا ہی حال اس کے ماں باپ کا تھا۔ وہ لوگ بہت پریشان تھے کہ ان کا بیٹا گھر واپس کیوں نہیں آیا۔ انھوں نے اس بارے میں رحمان اور اس کے دوستوں سے پوچھا تو انھوں نے کہا کہ احسن کا وہاں دل ہی نہیں لگا۔ اسے آپ لوگوں کی یاد آ رہی تھی، اس لیے وہ اسی شام وہاں سے چلا آیا تھا۔

ادھر بنگلے پر متعین نوکر کو احسن پر رحم آ گیا اور اس نے احسن کو اس گڑھے سے باہر نکال کر اسے کھانا کھلایا پھر اس نے احسن کو سب کچھ بتا دیا۔ اس نے احسن کو یہ بھی بتایا کہ رحمان نے اسے پیسے دیے تھے کہ وہ رحمان

کے باپ کو کچھ نہ بتائے کہ یہاں کیا ہو رہا ہے۔ نوکر احسن کو رحمان کے امی ابو کے پاس لے گیا اور ان کو سب کچھ بتا دیا۔ رحمان کے ابو نے احسن کو پیار کیا اور اس کو خود اس کے گھر چھوڑ کر آئے۔ احسن کے امی ابو نے جب اپنے بچے کو دیکھا تو اسے فوراً اپنے گلے سے لگا لیا۔ رحمان کے ابو نے احسن کے ماں باپ سے اپنے بیٹے کی اس حرکت پر معافی مانگی۔ احسن کے ماں باپ نے انھیں معاف کر دیا۔ گھر آ کر رحمان کو اس کے ابو نے بہت ڈانٹا اور مارا بھی۔ ان کے غصے کی انتہا نہیں تھی۔ انھوں نے رحمان کو دوسرے شہر ہاسٹل میں بھیج دیا اور احسن کو پڑھانے کی ذمے داری اپنے سر لے لی۔

آج احسن ایک بہت بڑا انجینئر ہے۔ وہ اپنے ماں باپ کی آرزوؤں پر پورا اُترا۔ رحمان آج تک تعلیم سے محروم ہے۔ وہ آج اپنی اس حرکت پر بہت شرمندہ ہے۔

وہم

محمد حبیب الرحمٰن، کراچی

بہت سے لوگ وہم جیسی بیماریوں میں مبتلا ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں میں ہمارے محلے کی ایک بزرگ عورت بھی شامل ہیں، جنھیں میں اکثر ڈاکخانے میں دیکھتا ہوں، جب وہ خاتون لیٹر بکس میں خط ڈالتی ہیں تو خط ڈالنے کے بعد چار پانچ منٹ تک لیٹر بکس کو تھپڑ مارتی رہتی ہیں، تاکہ خط اگر کہیں اٹک گیا ہو تو نیچے گر جائے اور جب کچھ اطمینان ہو جاتا ہے تو واپس آ جاتی ہیں۔

اسی ڈاکخانے میں ایک ملازم ہے جس کا کام لوگوں کو لفافے اور ٹکٹ وغیرہ دینا ہے۔ جب بھی ان صاحب سے لفافے مانگے جائیں تو وہ ہمیشہ دو لفافوں کو لے کر آپس میں رگڑتے ہیں، تاکہ اگر تیسرا لفافہ لپٹ گیا ہو تو نیچے گر جائے، لیکن کبھی ایسا نہیں ہوا۔

ہمارے ایک دوست ہیں وہ جب بھی

کسی کو خط لکھتے ہیں تو لفافے پر پتا بڑے عجیب طریقے سے لکھتے ہیں۔ مثلاً اگر خط ملتان بھیجنا ہو تو وہ لفافے کے ہر کونے پر ملتان لکھیں گے، پھر تھوڑا نیچے ملتان لکھیں گے اور انگریزی، اردو دونوں زبانوں میں لکھیں گے، تاکہ ایسا نہ ہو کہ ڈاکیے کو شہر کا نام نظر نہ آئے اور خط کہیں اور چلا جائے۔ شکر ہے ہماری تحریر شائع ہو گئی، ورنہ ہم بھی اسی وہم میں مبتلا رہتے کہ کہیں کہانی لیٹر بکس میں تو نہیں رہ گئی۔

دھوکا

سیف اللہ کھوسو، کشمور

ایک عقاب اور ایک الو میں دوستی ہو گئی۔ عقاب نے کہا: ''بھائی! تم اپنے بچوں کی پہچان تو بتا دو، ہو سکتا ہے میں تمھارے بچے کسی اور کے سمجھ کر کھا جاؤں۔''

الو نے جواب دیا: ''بھلا یہ بھی کوئی پوچھنے والی بات ہے۔ میرے بچے سب پرندوں سے زیادہ خوب صورت ہیں۔ ان کے چمکیلے پَر دیکھ کر تم ایک ہی نظر میں پہچان لو گے۔''

عقاب نے الو کی بات کو کاٹ کر کہا: ''بس بس میں سمجھ گیا۔ اب میں کبھی دھوکا نہیں کھا سکتا۔ اچھا پھر ملیں گے۔ یہ کہہ کر عقاب اُڑ گیا۔ یہ بات ایک چمگادڑ بھی سن رہی تھی۔

دوسرے دن عقاب شکار کی تلاش میں اِدھر اُدھر اُڑ رہا تھا اسے ایک اونچے درخت کی شاخ پر کسی پرندے کا گھونسلا نظر آیا۔ گھونسلے کے اندر چار کالے بدشکل بچے چوں چوں کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر عقاب نے کہا یہ بچے الو کے نہیں ہو سکتے، کیوں کہ یہ نہ خوب صورت ہیں اور نہ ہی ان کے چمکیلے پَر ہیں۔ یہ کہہ کر عقاب نے ان سب بچوں کو کھانا شروع کر دیا۔ جب وہ سب بچوں کو کھا چکا تھا تو الو اُڑتا ہوا آیا اور شور مچانے لگا: ''یہ تم نے کیا کیا۔ یہ تو میرے بچے تھے۔

عقاب یہ سن کر حیران رہ گیا۔ چمگادڑ جو پاس ہی اُڑ رہی تھی، اس نے الو سے کہا: ''اس

میں عقاب کا کوئی قصور نہیں ساری غلطی تمھاری ہے۔ جو کوئی کسی کو دھوکا دے کر اپنی اصلیت چھپاتا ہے، اس کا یہی انجام ہوتا ہے۔

پیڑ

وجیہہ جاوید، کوہسار

کام ہے اچھا پیڑ لگانا
اور ان کو پروان چڑھانا
ملک کا یہ سرمایہ ہوں گے
دھوپ میں ٹھنڈا سایہ ہوں گے
پودوں سے جب پیڑ بنیں گے
خوب ہوا کو صاف کریں گے
ان سے پھل پائیں گے ہم
مزے سے خوب کھائیں گے ہم
لکڑی ان سے خوب ملے گی
جس سے ہر اک چیز بنے گی
آؤ مل کر پیڑ لگائیں
اپنی محنت کا پھل پائیں

شرط

عائشہ محمد خالد قریشی، سکھر

دو آدمی چارپائی پر بیٹھے باتیں کر رہے تھے۔ اچانک انھوں نے دیکھا کہ ایک آدمی لنگڑاتا ہوا آ رہا ہے۔ ان دونوں کو شرط لگانے کا بہت شوق تھا۔ ایک بولا: ''میرے خیال میں اس آدمی کے پاؤں میں موچ آ گئی ہے۔''

دوسرا بولا: ''لگ گئی پانچ پانچ سو روپے کی شرط۔ اس آدمی کے پیر میں کبھی گولی لگی تھی۔ گولی تو نکل گئی، لیکن لنگڑاہٹ باقی رہ گئی ہے۔''

''لگ گئی۔'' پہلے نے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

جب وہ آدمی قریب آیا تو انھوں نے اس سے لنگڑا کر چلنے کی وجہ پوچھی اور ساتھ ہی اپنی شرط کے متعلق بھی بتا دیا۔ وہ آدمی ہنس کر بولا: ''لاؤ ایک ہزار روپے مجھے دے دو، تم دونوں آدمی شرط ہار چکے ہو۔'' پھر اس نے اپنے پاؤں کی جوتی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: ''یہ دیکھو، دراصل میری جوتی ٹوٹی ہوئی ہے۔'' ☆

معلومات افزا

معلومات افزا کے سلسلے میں حسبِ معمول ۱۶ سوالات دیے جا رہے ہیں۔ سوالوں کے سامنے تین جوابات بھی لکھے ہیں، جن میں سے کوئی ایک صحیح ہے۔ کم سے کم گیارہ صحیح جوابات دینے والے نونہال انعام کے مستحق ہو سکتے ہیں، لیکن انعام کے لیے سولہ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اگر ۱۶ صحیح جوابات دینے والے نونہال ۱۵ سے زیادہ ہوئے تو پندرہ نام قرعہ اندازی کے ذریعے سے نکالے جائیں گے۔ قرعہ اندازی میں شامل ہونے والے باقی نونہالوں کے صرف نام شائع کیے جائیں گے۔ گیارہ سے کم صحیح جوابات دینے والوں کے نام شائع نہیں کیے جائیں گے۔ کوشش کریں کہ زیادہ سے زیادہ صحیح جوابات دے کر انعام میں ایک اچھی سی کتاب حاصل کریں۔ صرف جوابات (سوالات نہ لکھیں) صاف صاف لکھ کر کوپن کے ساتھ اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-نومبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ کوپن کے علاوہ علاحدہ کاغذ پر بھی اپنا مکمل نام پتا اردو میں بہت صاف لکھیں۔ ادارۂ ہمدرد کے ملازمین / کارکنان انعام کے حق دار نہیں ہوں گے۔ ☆

۱۔ حضرت یوسف علیہ السلام کے سگے بھائی کا نام .... تھا۔ (یہودا ۔ بنیامین ۔ عیسو)

۲۔ .... کے قبولِ اسلام کے بعد سے خانہ کعبہ میں پہلی بار علانیہ نماز کی ادائی شروع ہوئی۔
(حضرت عمرؓ ۔ حضرت عثمانؓ ۔ حضرت ابوبکرؓ)

۳۔ پاکستان کے مشہور پہلوان "بھولو" اور "گوگا" آپس میں .... تھے۔ (چچا بھتیجے ۔ باپ بیٹے ۔ بھائی بھائی)

۴۔ ممتاز شاعر .... کا اصل نام فاروق احمد تھا۔ (فانی بدایونی ۔ محشر بدایونی ۔ شکیل بدایونی)

۵۔ مشہور خاتون سائنس داں مادام کیوری پولینڈ کے شہر .... میں پیدا ہوئیں۔ (کراکاؤ ۔ پوزنان ۔ وارسا)

۶۔ دنیا کا پہلا ڈاک ٹکٹ ۶ مئی .... کو جاری ہوا۔ (۱۸۳۸ء ۔ ۱۸۴۰ء ۔ ۱۸۴۲ء)

۷۔ ۱۹۵۲ء میں شاہ حسین .... کے بادشاہ بنے۔ (مصر ۔ اردن ۔ لبنان)

۸۔ ۱۱۸۷ء میں .... نے بیت المقدس فتح کیا۔ (نورالدین زنگی ۔ صلاح الدین ایوبی ۔ سیف الدین العادل)

۹۔ انگریز حکمرانوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر کو جلا وطن کر کے .... بھیج دیا تھا۔ (رنگپور ۔ رنگون ۔ جیسور)

۱۰۔ الجزائر نے ۳ جولائی ۱۹۶۲ء میں .... سے آزادی حاصل کی تھی۔ (فرانس ۔ برطانیہ ۔ روس)

۱۱۔ کیکڑے کی .... ٹانگیں ہوتی ہیں۔ (۸ ۔ ۱۰ ۔ ۱۲)

۱۲۔ ماؤنٹ ایورسٹ سمیت دنیا کے سات اونچے پہاڑوں کو سر کرنے والی واحد پاکستانی خاتون کا نام .... ہے۔
(کشور نازلی ۔ مس صبیحہ مرزا ۔ ثمینہ بیگ)

۱۳۔ کرکٹ کے واحد پاکستانی کھلاڑی .... تھے، جنھوں نے بھارت کی طرف سے پاکستان کے خلاف ٹیسٹ میچ کھیلا تھا۔
(نذر محمد ۔ گل محمد ۔ خان محمد)

۱۴۔ بچوں کا عالمی دن ۲۰ .... کو منایا جاتا ہے۔ (اکتوبر ۔ نومبر ۔ دسمبر)

۱۵۔ اردو زبان کی ایک کہاوت: "بڈھی .... لال لگام۔" (لومڑی ۔ بکری ۔ گھوڑی)

۱۶۔ علامہ اقبال کے اس شعر کا دوسرا مصرع مکمل کیجیے:
ایک ہی صف میں کھڑے ہو گئے محمود و ایاز
نہ کوئی بندہ رہا اور نہ کوئی .... (شاہ نواز ۔ غریب نواز ۔ بندہ نواز)

کوپن برائے معلومات افزا نمبر ۲۳۹ (نومبر ۲۰۱۵ء)

نام : ....

پتا : ....

....

....

کوپن پر صاف صاف نام، پتا لکھیے اور اپنے جوابات (سوال نہ لکھیں، صرف جواب لکھیں) کے ساتھ لفافے میں ڈال کر دفتر ہمدرد نونہال، ہمدرد ڈاک خانہ، کراچی ۷۴۶۰۰ کے پتے پر اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-نومبر ۲۰۱۵ء تک ہمیں مل جائیں۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام لکھیں اور صاف لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر جوابات کے صفحے پر چپکا دیں۔

کوپن برائے بلاعنوان انعامی کہانی (نومبر ۲۰۱۵ء)

عنوان : ....

نام : ....

پتا : ....

....

....

یہ کوپن اس طرح بھیجیں کہ ۱۸-نومبر ۲۰۱۵ء تک دفتر پہنچ جائے۔ بعد میں آنے والے کوپن قبول نہیں کیے جائیں گے۔ ایک کوپن پر ایک ہی نام اور ایک ہی عنوان لکھیں۔ کوپن کو کاٹ کر کاپی سائز کے کاغذ پر درمیان میں چپکائیے۔

عظیم مسلمان سائنس داں

تازہ اور دل چسپ کتابیں

کتاب کا نام	قیمت
۱۔ الطّوسی ماہرِ ریاضی	۳۵ روپے
۲۔ الادریسی ماہرِ جغرافیہ	۴۲ روپے
۳۔ الفارابی عظیم فلسفی	۴۵ روپے
۴۔ البیطار ماہرِ نباتات	۵۰ روپے
۵۔ الوزّان عظیم سیاح اور واقعہ نگار	۴۵ روپے
۶۔ القزوینی ماہرِ ارضیات	۴۰ روپے
۷۔ البیرونی عظیم مفکر اور ماہرِ فلکیات	۴۰ روپے
۸۔ ابن خلدون عظیم مورّخ اور ماہرِ عمرانیات	۴۰ روپے
۹۔ جابر بن حیّان ماہرِ کیمیا	۴۰ روپے
۱۰۔ ابنِ یونس ماہرِ فلکیات	۴۰ روپے
۱۱۔ الخوارزمی ماہرِ حساب	۳۵ روپے

ہمدرد فاؤنڈیشن پاکستان، ہمدرد سینٹر، ناظم آباد نمبر ۳، کراچی

آدھی ملاقات

یہ خطوط ہمدرد نونہال شمارہ ستمبر ۲۰۱۵ء کے بارے میں ہیں

● ستمبر کا شمارہ زبردست تھا۔ تمام نظمیں اور کہانیاں زبردست تھیں۔ نظم گڑبڑ (ضیاء الحسن ضیا) بہت اچھی تھی۔ کہانیوں میں عزم (شیخ عبدالحمید عابد)، خواب اور حقیقت (پروفیسر مشتاق اعظمی)، نکٹوں کی چوری (جاوید بسام)، بلاعنوان کہانی (اُمِ عادل)، بھائی جان (خلیل جبار)، بکرا اور قسائی (محمد شاہد حفیظ)، غلطی (مہروز اقبال) بڑی دل چسپ اور لاجواب تھیں۔ بیت بازی کے اشعار بہت پسند آئے۔ نونہال مصور میں سمیہ وسیم کی مصوری بہت اچھی تھی۔ ہنسی گھر کے لطیفے پسند آئے۔ علم دریچے بھی اچھا لگا۔ نونہال ادیب میں اچھی اچھی تحریریں تھیں۔ سلمان یوسف سمیجہ، علی پور۔

● ستمبر کا نونہال ملا۔ پڑھ کر خوب لطف اندوز ہوئے۔ کہانیوں میں خواب اور حقیقت، بکرا اور قسائی، بھائی جان اور بلاعنوان کہانی بہت عمدہ تھیں۔ میاں بلاتی بھی اپنی ذمے داری بہت اچھی طریقے سے نبھا رہے ہیں۔ نظموں میں گڑبڑ نے ہنسا ہنسا کر پیٹ میں گڑبڑ کردی۔ بہرا کون پڑھ کر خوب ہنسی آئی اور کئی منٹوں تک حیرت کا بت بنی بیٹھی رہی۔ انکل! قصائی "ص" سے ہوتا ہے یا "س" سے؟ حرا سعید شاہ، جوہر آباد۔

"قصائی" غلط ہے، "قسائی" درست ہے۔

● اچھی اچھی تحریروں میں نمبر ایک پر آفت (جاوید اقبال) تھی۔ دوسرے نمبر پر بلاعنوان کہانی (اُمِ عادل) اور تیسرے نمبر پر نکٹوں کی چوری (جاوید بسام) رہی۔ معلوماتی مضامین، نظمیں اور مسکراتی لکیریں اچھی تھیں۔ "بہرا کون" بھی بہت اچھی تحریر تھی، پڑھ کر مزہ آ گیا۔ اس بار کے لطیفے تو بہت مزے دار تھے۔ ہم تو ہنس ہنس کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ سمیہ وسیم، سکھر۔

● ہر ماہ کی طرح ستمبر کا شمارہ بھی کمال کا تھا۔ بلاعنوان کہانی سپرہٹ تھی۔ کہانیوں میں نکٹوں کی چوری بے حد دل چسپ تھی۔ "بہرہ کون" نے پورے ہنسی گھر کو مات دے دی۔ بیت بازی ایک اچھا سلسلہ ہے۔ انکل! آپ کی عمر کتنی ہے؟ اشمہ نیاز، کوٹلی آزاد کشمیر۔

عمر زیادہ نہیں ہے اور باقی تو بہت تھوڑی رہ گئی ہے۔
عمر ۸۰، ۹۰ کے درمیان ہوگی۔

● ستمبر کا شمارہ قابلِ تعریف تھا۔ تمام کہانیاں بہت زبردست تھیں۔ نکٹوں کی چوری (جاوید بسام) کہانیوں میں اول درجے پہ تھی۔ بھائی جان (خلیل جبار) نصیحت آموز کہانی تھی۔ بلاعنوان کہانی نے وقت کی گردش اور حالات کی تبدیلیوں سے آگاہ کیا۔ اس شمارے میں ماہِ ستمبر کی مناسبت سے بہت کم تحریریں تھیں۔ باقی تمام سلسلے سپرہٹ رہے۔ سرورق بھی بہت ہی لاجواب تھا۔ سیدہ اریبہ بتول، کراچی۔

● ستمبر کا شمارہ سابقہ شماروں کی طرح زبردست تھا۔ تمام کہانیاں اچھی لگیں، لیکن بکرا اور قسائی (محمد شاہد حفیظ) سب سے اچھی لگی۔ اس کے علاوہ بھائی جان (خلیل جبار)، نکٹوں کی چوری (جاوید بسام) اور عقل مندی کا تقاضا (مسعود احمد برکاتی) بھی اچھی تحریریں تھیں۔ سہیل احمد بابوزئی، کراچی۔

● تازہ شمارہ واقعی شان دار تھا۔ بلاعنوان کہانی تو بہت ہی مزے دار تھی۔ نیکی کا اثر، آخری ریس، دس منٹ، بہت اچھی

کہانیاں تھیں۔ لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص۔

● اس دفعہ کا شمارہ بڑا ہی زبردست تھا۔ پہلی بات سے لے کر نونہال لغت تک سب کچھ ہی شان دار تھا۔ میری درخواست ہے کہ مجھے بھی بک لسٹ اور آئی ڈی کارڈ بھیج دیں تا کہ میں بھی اپنی ایک لائبریری بنا سکوں۔ سید محمد موسیٰ، کراچی۔

بک کلب کا کارڈ اور فہرست ۲۳ ستمبر ۲۰۱۵ء کو روانہ کیا گیا ہے۔ ڈاک خانے سے معلوم کرلیں۔

● ستمبر کا شمارہ بہت اچھا تھا۔ پورا رسالہ آپ کی انتھک محنت کا منھ بولتا ثبوت تھا۔ آفت تجسس سے بھرپور تھی۔ اس بار لطیفوں نے ہنسا ہنسا کر لوٹ پوٹ کر دیا۔ کہانیوں میں نکٹوں کی چوری، بکرا اور قسائی بہت پسند آئیں۔ اگلے شمارے کا بے تابی سے انتظار رہتا ہے۔ خوش بخت خان، کھلابٹ ٹاؤن شپ۔

● میں ہمدرد نونہال بہت شوق سے پڑھتی ہوں۔ ستمبر کے شمارے میں کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ ہنسی گھر بھی مزے دار تھا۔ کبریٰ عباسی، ہری پور۔

● ستمبر کے شمارے میں پہلی نظر سرورق پر موجود خوب صورت بچی پر پڑی۔ پھر پہلی بات، جاگو جگاؤ اور ایک ایک کہانی سے خوب لطف حاصل کیا۔ سب سے بہترین کہانی ''آفت'' لگی۔ بلاعنوان ایک بامقصد کہانی تھی۔ عمیر بن سلمان، کراچی۔

● جاگو جگاؤ سے لے کر نونہال لغت تک سارا رسالہ سپر ہٹ تھا۔ تمام کہانیاں اور معلوماتی سلسلے پڑھ کر بہت مزہ آیا۔ بلاعنوان کہانی سپر ہٹ تھی۔ احمق مددگار پڑھ کر بہت ہنسی آئی۔ ہنسی گھر پڑھ کر ہنستے ہنستے لوٹ پوٹ ہو گئے۔ علم دریچے پڑھ کر علم میں اضافہ ہوا۔ مناہل فاطمہ، حیدر آباد۔

● شمارے کی پہلی نمبر کی کہانیوں میں خواب اور حقیقت اور نکٹوں کی چوری تھیں۔ دوسرے نمبر پر بلاعنوان، عزم اور بکرا اور قسائی نے خوب ہنسایا۔ بھائی جان بھی اچھی کاوش تھی۔ نظموں میں ناشکرا اور گڑ بڑ پسند آئیں۔ مضامین میں عقل مندی کا تقاضا، قائداعظم اچھے تھے۔ ''بہرا کون'' نے خوب ہنسایا۔ علی حیدر، جھنگ صدر۔

● کہانیوں میں بکرا اور قسائی اور نکٹوں کی چوری اچھی کہانیاں تھیں۔ کرن حسین، اسد علی، فہد فدا حسین، فیوچر کالونی۔

● ستمبر کا ہمدرد نونہال بہت خوب تھا اور سارے سلسلے مجھے بہت پسند ہیں۔ وقار محسن کے بارے میں پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ مریم کنول، کراچی۔

● سرورق پر موجود ننھی علیزا اعثمانی کا انداز پیارا تھا۔ آفت (جاوید اقبال) نے بڑا تجسس پھیلایا۔ بھائی جان (خلیل جبار) اچھی لگی کہ بچوں کو بڑوں کا کہنا ماننا چاہیے۔ انکل! گستاخی معاف، میں یہ تصدیق کرنا چاہتی ہوں کہ ستمبر کے شمارے میں موجود ''حمدِ باری تعالیٰ'' حمد ہے یا مناجات، کیوں کہ اس میں شاعر بار بار اللہ پاک سے دعا مانگ رہا تھا۔ انکل! میرے اطمینان کے لیے جواب ضرور دیجیے گا۔ بی بی بسرا بتول اللہ بخش، جگہ نامعلوم۔

آپ کا خیال صحیح ہے، یہ مناجات ہے۔

● کہانیوں میں خواب اور حقیقت، نکٹوں کی چوری، آفت، بکرا اور قسائی، بہرا کون، بلاعنوان، غلطی، بھائی جان اور عزم اچھی تھیں۔ لطائف بہت شان دار تھے۔ خطوط بھی کھٹے میٹھے تھے۔ فرمین، اسلام آباد۔

● سرورق بہت اچھا تھا۔ بھولا بھالا، معصوم اور پیارا تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ خاص کر ڈراؤنی،

خوف ناک (بلاعنوان) اچھی لگی۔ اسد کو ناشکری کی سزا مل گئی۔ ٹکٹوں کی چوری، خواب اور حقیقت، بھائی جان، آفت۔ بکرا اور قسائی، بہرا کون، عزم اور غلطی بھی اچھی کہانیاں تھیں۔ نظموں میں حمد باری تعالیٰ، ناشکرا، اور گڑبڑ اچھی لگیں۔ آسیہ ذوالفقار، عافیہ ذوالفقار، زوہیر احمد ذوالفقار بلوچ، کراچی۔

❁ ساری کہانیاں اور مضامین خوب صورت تھے۔ پہلے نمبر پر خواب اور حقیقت، ٹکٹوں کی چوری اور بکرا اور قسائی پسند آئیں۔ دوسرے نمبر پر بھائی جان، بہرا کون اور بلاعنوان کہانی بہت ڈراؤنی کہانی تھی اور تیسرے نمبر پر آفت، عزم اور غلطی اچھی لگیں۔ مضامین میں جاگو جگاؤ، پہلی بات، ننھے عبدالستار ایدھی، قائداعظم سچے رہنما اچھے اور سبق آموز تھے۔ عقل مندی کا تقاضا بہت اچھا مضمون تھا۔ نظموں میں حمد باری تعالیٰ، گڑبڑ اور ناشکری اچھی نظمیں تھیں۔ باقی سلسلے روشن خیالات، ہنسی گھر، بیت بازی، علم دریچے، نونہال مصور اور نونہال ادیب اچھے ہیں۔ سرورق پر علیزا کی تصویر بہت اچھی لگی۔ حسنہ بنت ذوالفقار، ناعمہ بنت ذوالفقار، عالیہ بنت ذوالفقار، کراچی۔

❁ ستمبر کے مہینے میں بھی بہت سی خوب صورت تحاریر موجود تھیں۔ بلاعنوان کہانی بہت اچھی اور سبق آموز کہانی تھی۔ خواب اور حقیقت میں ایسے خواب دیکھے جائیں تو پھر تو یہی ہوتا ہے۔ بکرا اور قسائی بھی اچھی کہانی تھی۔ بھائی ایک اچھی اور اصلاحی تحریر تھی۔ ٹکٹوں کی چوری میں میاں بلاتی تو ہیرو بن گئے۔ جو پاؤں پھیلاتا ہے بلاشبہ ایک بہترین تحریر تھی۔ بہرا کون نے ہنسا دیا، ورنہ ہنسی گھر تو کام کا نہیں تھا۔ عزم بھی ایک اچھی تحریر تھی۔ مریم حسن خان، کراچی۔

❁ ہمدرد نونہال کا ہر شمارہ اچھا ہوتا ہے۔ اس مرتبہ کا شمارہ بھی زبردست تھا۔ کہانیوں میں نیکی کا اثر، احمق مددگار، تلچھی کھل گئی اور آخری ریس اچھی تھیں۔ نام پتا نامعلوم۔

❁ ستمبر کا شمارہ سپر ہٹ تھا۔ خاص طور پر کہانی آفت مجھے بہت پسند آئی۔ لطیفے بھی بہت اچھے تھے اور نونہال مصور بھی۔ اسریٰ خان، کراچی۔

❁ ستمبر کا شمارہ ہمیشہ کی طرح سپر ہٹ تھا۔ کہانیاں بھی بہت مزے دار اور دل کش تھیں۔ خاص طور پر بلاعنوان کہانی بہت اچھی تھی۔ اس کے علاوہ باقی تمام کہانیاں بھی بہت اچھی تھیں۔ ناشکرا نظم بہت پیاری تھی۔ حافظ عابد علی، جگہ نامعلوم۔

❁ ہمدرد نونہال ہمارے شہر پنڈ دادن خان میں بہت دیر سے آتا ہے۔ ۵، ۶ تاریخ کو ہمیں ملتا ہے جس کی وجہ سے ہم معلومات افزا کے جوابات بھی نہیں بھیج سکتے۔ آپ ہمارے شہر میں رسالہ جلدی بھیجا کریں۔ انکل! اگر ہم کوئی تحریر ارسال کریں تو تحریر کے نیچے اپنے اسکول کا ایڈریس بھی لکھ سکتے ہیں کہ نہیں، کیوں کہ میں ایک اسکول ٹیچر ہوں اور ایک ہی لفافے میں کیا میں اپنی کسی دوست کی بھی تحریر بھیج سکتی ہوں اور تحریر کے نیچے دوست کا نام اور اس کا ایڈریس بھی لکھ سکتی ہوں اور تحریر شائع ہونے کی صورت میں رسالہ آپ میری دوست کے ایڈریس پر بھیج سکتے ہیں؟ سیدہ مبین فاطمہ عابدی، پنڈ دادن خان۔

> اپنے اخبار والے سے کہیں کہ وہ رسالہ جلد منگوایا کرے۔ آپ خط جس کا اور جو پتا بھی لکھیں گی اسی پر رسالہ جا سکتا ہے۔

❁ مضمون عقل مندی کا تقاضا (مسعود احمد برکاتی) بہترین تھا۔ باقی شمارہ بھی اچھا تھا۔ محمد شکیب مسرت، بہاول پور۔

❁ ستمبر کا شمارہ مزے دار تھا۔ ہر کہانی ایک سے بڑھ کر ایک تھی۔ ننھے عبدالستار ایدھی پڑھ کر بہت کچھ سیکھنے کو ملا اور تصویر خانہ میں اپنی بہن عائشہ اسماعیل کی تصویر دیکھ کر دلی خوشی ہوئی۔ عاقب اسماعیل،

جویریہ اسماعیل، سارہ اسماعیل، عائشا اسماعیل، میر پور خاص۔

● ستمبر کا شمارہ ہر ماہ کے شمارے جیسا زبردست تھا۔ کہانیوں میں پہلے نمبر پر ٹکٹوں کی چوری (جاوید بسام)، بھائی جان (خلیل جبار) اور بلاعنوان کہانی (اُمِ عادل) تھی۔ دوسرے نمبر پر بکرا اور قسائی (محمد شاہد حفیظ)، عزم (شیخ عبدالحمید عابد)، خواب اور حقیقت (پروفیسر مشتاق اعظمی) تھی۔ تیسرے نمبر پر آفت (جاوید اقبال) اور بہرا کون تھی۔ سید ابوالحسن علی ندوی اور مسعود احمد برکاتی کے مضامین سبق آموز تھے۔ انکل! کیا ہم تصویر خانہ کے لیے پاسپورٹ سائز تصویر بھیج سکتے ہیں؟ ایمن فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص۔

بالکل بھیج سکتے ہیں۔

● شمارے کا سرورق بہت اچھا تھا۔ جاگو جگاؤ، پہلی بات اور روشن خیالات ہمیشہ کی طرح انمول تھے۔ سب کہانیاں ہی زبردست تھیں۔ ہم سب گھر والے ہمدرد نونہال ہر مہینے باقاعدگی سے پڑھتے ہیں۔ مدیحہ ذکا بھٹی، شیخو پورہ۔

● تمام کہانیاں ایک سے بڑھ کر ایک تھیں۔ پہلے نمبر پر عزم، بلاعنوان کہانی، غلطی اور بھائی جان اچھی لگیں۔ دوسرے نمبر پر خواب اور حقیقت اور ٹکٹوں کی چوری اور تیسرے نمبر پر بکرا اور قسائی اچھی لگیں۔ نظموں میں گڑ بڑ اور ناشکرا دونوں ہی لاجواب تھیں۔ ہنسی گھر میں سب سے زیادہ اچھا لطیفہ عرشیہ نوید کا لگا۔ تابعہ سعود، کراچی۔

● ستمبر کے شمارے میں عقل مندی کا تقاضا واقعی ایک بہترین اور سبق آموز مضمون ہے۔ ننھے عبدالستار ایدھی بھی ایک اچھی کاوش تھی۔ معلومات ہی معلومات بھی اچھا سلسلہ ہے۔ کہانیوں میں خواب اور حقیقت، بلاعنوان کہانی، بکرا اور قسائی، بھائی جان بے حد پسند آئے۔ آفت نے بور کر دیا۔ مضمون قائداعظم سچے رہنما (نسرین شاہین) بھی قابلِ تعریف ہے۔ سسی نجی، پسنی مکران۔

● میں ہمدرد نونہال پہلی دفعہ پڑھ رہی ہوں اور خط بھی پہلی دفعہ لکھ رہی ہوں۔ مجھے بکرا اور قسائی (محمد شاہد حفیظ) کہانی بہت اچھی لگی۔ ہنسی گھر کے لطیفے بہت اچھے تھے۔ رو حما نواز، ناظم آباد، کراچی۔

● شمارہ نہایت دل چسپ تھا۔ ہر کہانی اپنی جگہ قابلِ تعریف تھی۔ تحریر آزاد پاکستان، بہت پسند آئی۔ نیکی کا اثر، آخری ریس، اپنے دوست سے ملیے، دس منٹ اور بلاعنوان کہانی خوب صورت کہانیاں تھیں۔ لائبہ فاطمہ محمد شاہد، میر پور خاص۔

● ہمدرد نونہال پڑھا۔ تمام کہانیاں اور معلوماتی سلسلے بہت پسند آئے۔ آصف بوزدار، میر پور ماتھیلو۔

● ستمبر کے شمارے کی تمام کہانیاں اور لطیفے بہت اچھے تھے۔ پہلے نمبر پر بلاعنوان کہانی تھی۔ ٹکٹوں کی چوری دوسرے نمبر پر تھی۔ غرض یہ کہ پورا شمارہ بہت اچھا تھا۔ روشن خیالات تو بہت ہی پسند آئے۔ علم دریچے بہت ہی اچھا سلسلہ ہے۔ کنول طاہر محمود، نواب شاہ۔

● ستمبر کا شمارہ سرورق سے لے کر آخر تک عمدہ ہے۔ ہر تحریر نہایت قیمتی ہے۔ تبھی تو تحریر "ہمدرد نونہال" میں جگہ بنا پاتی ہے۔ یہ شہید حکیم محمد سعید کا لگایا ہوا پودا ہے۔ جسے سعدیہ راشد (صدرِ مجلس)، مسعود احمد برکاتی (مدیرِ اعلا) اور لکھنے والے تمام نونہال مل کر پروان چڑھا رہے ہیں۔ دمشا فاطمہ بنت محمد شاہد علی، میر پور خاص۔

● تمام کہانیاں، نظمیں اور مضامین اپنی اپنی جگہ پر خوب تھے۔ کہانیوں میں ٹکٹوں کی چوری میں میاں بلاتی کا بھیس بدل کر حقیقت جاننا اچھا لگا۔ بھائی جان اچھی تحریر تھی۔ کہانی عزم میں ڈاکٹر حسنات کا نیک عزم لاجواب تھا۔ بلاعنوان کہانی ایک سبق آموز کہانی تھی۔ مضامین میں عقل مندی کا تقاضا (مسعود احمد

برکاتی) سے پتا چلا کہ دوسروں کی عادات اپنانے سے پہلے جانچنا بہتر ہوتا ہے اور دوسرا مضمون جو پاؤں پھیلاتا ہے مزے دار تھا۔ بیت بازی کے تمام اشعار پسند آئے۔ ہنسی گھر کے تمام لطائف نت نئے تھے۔ مسکراتی لکیریں کچھ خاص نہیں تھیں۔

فیضان احمد خان، میرپور خاص۔

● معلومات ہی معلومات اور علم دریچے بہترین سلسلے ہیں۔ خواب اور حقیقت، ٹکٹوں کی چوری، بھائی جان، قائد اعظم بچے رہنما بہترین سبق آموز تحریریں تھیں۔ اس کے علاوہ بلاعنوان کہانی نے بھی بہت متاثر کیا۔ سائنس فکشن پر کوئی کہانی چھاپیں اور پاکستان کی سیر کے حوالے سے بھی کوئی سلسلہ شروع کریں، جس میں وطن کے دور دراز مقامات کے بارے میں معلومات حاصل ہوں۔ عبدالجبار رومی انصاری، لاہور۔

● پہلی بات ہمیشہ پہلا قدم ثابت ہوتی ہے، جو راحت کا باعث ہوتی ہے، لیکن اب کی پہلی بات مجھ پر غم کا پہاڑ ثابت ہوئی۔ وقار محسن کی وفات کی خبر میرے لیے ایک گہرا صدمہ تھی۔ میں بچپن سے ان کی تحریروں کا گرویدہ رہا ہوں۔ میں نونہال کے ہر شمارے میں ان کی تحریر سب سے پہلے پڑھتا ہوں۔ وہ ایک لکھاری ہی نہیں، بلکہ ایک شفیق باپ کی مانند تھے، جو اپنی تحریروں سے ہماری تربیت کرتے تھے۔ ان کا سماجی انداز مجھے محبوب تھا۔ ان کی تحریریں ان کی شفیق طبیعت کی ترجمان تھی۔ بلاشبہ ان کی وفات بچوں کے ادب کے لیے ایک بڑا نقصان ہے۔ محمد سعد افراہیم خان، کراچی۔

● ستمبر کا شمارہ لاجواب تھا۔ ہر شمارے کی طرح یہ شمارہ بھی منفرد تھا۔ روشن خیالات اور جاگو جگاؤ نے بہت متاثر کیا۔ مسعود احمد برکاتی کی تحریر پہلی بات اور عقل مندی کا تقاضا پڑھ کر دل خوش ہوا۔ کہانیوں میں سب سے اچھی بکرا اور قسائی لگی۔ بھائی جان اور بلاعنوان کہانی پڑھ کر سبق ملا۔ ہنسی گھر کمال کا تھا۔ عبدالستار ایدھی پر تحریر بھی اچھی لگی۔ راحم فرخ خان، کراچی۔

● ستمبر کا شمارہ بے حد پسند آیا۔ بلاعنوان کہانی بہت پسند آئی۔ باقی کہانیاں بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھیں۔ پڑھنے سے ہمیں نصیحت بھی ہوئی اور لطف بھی آیا۔ روشن خیالات ہمیشہ کی طرح بہترین اور لاجواب تھے۔ بکرا اور قسائی (محمد شاہد حفیظ) پڑھ کر بہت ہی زیادہ لطف آیا۔ محمد جہانگیر عباس جوئیہ، کراچی۔

● ستمبر کا نونہال بہت زبردست تھا۔ انکل! ہم نونہال ادیب میں لکھ سکتے ہیں اور بھیجنے کا کیا طریقہ ہے؟ محمد ادریس، کراچی۔

> نونہال ادیب نونہالوں کی تحریروں ہی سے سجایا جاتا ہے۔
> آپ بھی لکھ سکتے ہیں۔ جس طرح آپ نے خط بھیجا ہے،
> اسی طرح دیگر تحریریں بھی بھیج سکتے ہیں۔
> ہر تحریر کے نیچے اپنا نام پتا صاف صاف ضرور لکھیے۔

● ستمبر کے شمارے میں سب ہی کہانیاں بہت دل چسپ اور معیاری تھیں، مگر ٹکٹوں کی چوری کی کیا ہی بات ہے۔ بخت خان، سیداں چوک۔

● ستمبر کا شمارہ ہاتھ میں آتے ہی دل خوش ہو گیا۔ سرورق بہت اچھا لگا۔ بکرا اور قسائی، ٹکٹوں کی چوری، خواب اور حقیقت بہت اچھی اور دل چسپ کہانیاں تھیں۔ ہنسی گھر کے لطیفے پڑھ کر مزہ آ گیا۔ یہ رسالہ ہمارے گھر میں بڑے شوق سے پڑھا جاتا ہے، کیوں کہ یہ دل چسپ اور معلوماتی ہے۔ معلومات افزا کے جوابات دیتے ہوئے مجھے یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ میں کتنے پانی میں ہوں۔ شیر ونیہ شاہ، حیدرآباد۔

☆☆☆

جوابات معلومات افزا - ۲۳۷

سوالات ستمبر ۲۰۱۵ء میں شایع ہوئے تھے

ستمبر ۲۰۱۵ء میں معلومات افزا - ۲۳۷ کے جو سوالات دیے گئے تھے، ان کے جوابات ذیل میں لکھے جا رہے ہیں۔ ۱۶ صحیح جوابات بھیجنے والے نونہالوں کی تعداد بہت زیادہ تھی، اس لیے ان سب نونہالوں کے درمیان قرعہ اندازی کر کے ۱۵ نونہالوں کے نام نکالے گئے ہیں۔ انعام یافتہ نونہالوں کو ایک کتاب بھیجی جا رہی ہے۔ باقی نونہالوں کے نام شائع کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ قوم ثمود پر حضرت صالح ؑ کے زمانے میں قہر الٰہی نازل ہوا تھا۔

۲۔ آسمانی کتاب زبور حضرت داوٗد ؑ پر نازل ہوئی تھی۔

۳۔ عظیم یونانی فلسفی ارسطو سکندرِ اعظم کا استاد تھا۔

۴۔ عظیم مسلمان فلسفی، دانش ور ابو نصر فارابی کا انتقال ۹۵۰ء میں ہوا تھا۔

۵۔ ''دمشق'' اسلامی ملک شام کا دارالحکومت ہے۔

۶۔ دنیا کا ایک بلند پہاڑ نانگا پربت پاکستان میں ہے۔

۷۔ ''وال اسٹریٹ جرنل'' امریکا کا ایک مشہور اخبار ہے۔

۸۔ ''اے پی پی'' (APP) پاکستان کی خبر رساں ایجنسی ہے۔

۹۔ پاکستان کے مشہور شاعر رئیس امروہوی کا اصل نام سید محمد مہدی تھا۔

۱۰۔ انڈونیشیا کا سکہ روپیہ کہلاتا ہے۔

۱۱۔ انسانی خون کے چار گروپ ہیں، ان میں صرف ''O'' گروپ کا خون ہر انسان کو دیا جا سکتا ہے۔

۱۲۔ ''قندھار'' افغانستان کا ایک بڑا شہر ہے۔

۱۳۔ رومن ہندسوں میں ۱۶۰۰ کے عدد کو انگریزی حروف MDC سے ظاہر کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ ''BRICK'' انگریزی زبان میں اینٹ کو کہتے ہیں۔

۱۵۔ اردو زبان کا ایک محاورہ: ''یار زندہ صحبت باقی۔''

۱۶۔ مرزا غالب کے اس شعر کا دوسرا مصرع اس طرح درست ہے:

نکتہ چیں ہے، غمِ دل اس کو سنائے نہ بنے ۔۔۔ کیا بنے بات، جہاں بات بنائے نہ بنے

قرعہ اندازی میں انعام پانے والے بیس خوش قسمت نونہال

☆ کراچی: کومل فاطمہ اللہ بخش، سیدہ فقیہہ علی، محمد سعد افراہیم خان، رضی اللہ خان، محمد آصف انصاری ☆ بہاول پور: احمد ارسلان ☆ لاڑکانہ: معتبر خان ابڑو ☆ حیدرآباد: عائشہ ایمن عبداللہ، محمد عاشر راحیل ☆ لاہور: عائشہ صدیقہ معین، وہاج عرفان ☆ راولپنڈی: محمد ارسلان ساجد ☆ پشاور: محمد حیان ☆ نوشہرو فیروز: محمد جاوید ابراہیم پھل ☆ اسلام آباد: سدیس عالم آفریدی۔

۱۶ درست جوابات دینے والے نونہال

☆ کراچی: علینا اختر، مسکان فاطمہ، رابعہ اسد اللہ، سیدہ طیبہ فاطمہ، انعم صابر، یوسف کریم، مہر سلیم، عبدالرحمن اظفر، اسما ارشد، محمد مصعب علی، سمیرا حسین، سید محمد موسیٰ، مریم حسن خان، عافیہ ذوالفقار، نامہ تحریم، سید ولید حسن، مریم سہیل، لیاہ اعجاز، شاہ محمد ازہر عالم، سیدہ اریبہ بتول، محمد صدیق، خضریٰ بتول، مرزا احسان بیگ، محمد حسن نوید ظفر، معاذ اسحاق، سیدہ وجیہہ ناز، محمد حارث الطاف، لقمان، رخشی آفتاب ☆ بہاول پور: ایمن نور، صباحت گل، قرۃ العین عینی ☆ بے نظیر آباد: منور سعید خانزادہ راجپوت، سعید خانزادہ ☆ لاڑکانہ: صنم حضور ابڑو ☆ حیدرآباد: عمار بن حزب اللہ بلوچ، ماہ رخ، حفصہ فہیم الدین شیخ، اقراء عبدالوحید شیخ ☆ لاہور: عبداللہ خان، حافظہ انشراح خالد بٹ ☆ راولپنڈی: رومیسہ زینب چوہان ☆ فیصل آباد: حافظ ارباب گوہر، محمد اواب کمبوہ ☆ پشاور: حانیہ شہزاد ☆ میر پور خاص: ملیحہ جعفر، عاقب اسماعیل، فریحہ عاطمہ، شہریم راجا، تحسین احمد ☆ بیلا: محمد الیاس چنا ☆ ٹھارو شاہ: ریان آصف خانزادہ راجپوت ☆ ٹوبہ ٹیک سنگھ: سعدیہ کوثر مغل ☆ ہری پور: خوش بخت خان ☆ ڈیرہ غازی خان: رفیق احمد ناز ☆ قصور: نورالہدیٰ علی ☆ ٹنڈو جام: ولیزا جاوید ☆ جھنگ: گوہر عباس ☆ وزیر آباد: محمد وسیم عارف ☆ نواب شاہ: نعمان ایوب ☆ خوشاب: محمد قمر الزماں ☆ سکھر: فلزا مہر ☆ چکوال: عاطف ممتاز ☆ وہاڑی: حفصہ شہزاد قادر اویسی ☆ مری: اسامہ ظفر راجا ☆ کرک: روحین زمان ☆ نوشہرو: ابدال شفقت۔

۱۵ درست جوابات بھیجنے والے سمجھ دار نونہال

☆ کراچی: شیر حیدر مغل، محمد شافع، صفورا نثار، طہورا عدنان، ملک اسامہ علاء الدین، نور صبا، تفشالہ علاء الدین، علیزہ سہیل، محمد ابراہیم، ماریہ سلیم محمود، سمیعہ توقیر ☆ پسنی/مکران: سمی نجی، سمی نجی، نسیم واحد ☆ لاہور: محمد عبداللہ، مطیع الرحمٰن، منی الرحمٰن، منیحہ عدن، احمد حسن خان، چودھری امتیاز علی، عبدالجبار رومی انصاری

☆ حیدرآباد: غلام شہباز میمن، محمد عثمان غنی ☆ راولپنڈی: علی حسن، محمد شہیر، عدنان خان ☆ کوٹلی: اشمہ نیاز، محمد جواد چغتائی ☆ اسلام آباد: عنزہ ہارون ☆ جہلم: ایمان شاہد ☆ چکوال: محمد سرمد منیر ☆ ڈیرہ اللہ یار: زبیر فاروق کھوسہ ☆ تلہ گنگ: علیشہ نور ☆ بہاول نگر: طوبیٰ جاوید انصاری ☆ بہاول پور: رابعہ طارق ☆ سانگھڑ: محمد ثاقب منصوری ☆ شیخوپورہ: محمد حسان الحق ☆ رحیم یار خان: مناہل جاوید ☆ اوتھل: صلاح الدین ☆ ڈگری: محمد طلحہ مغل ☆ ہری پور: شاہ میر عباسی ☆ ملک وال: دقیع عدنان ☆ نواب شاہ: ارم بلوچ محمد رفیق ☆ ملتان: احمد عبداللہ ☆ میرپور خاص: فیضان محمد یونس قائم خانی۔

۱۴ درست جوابات بھیجنے والے علم دوست نونہال

☆ کراچی: محمد بلال صدیقی، عمیر بن سلمان، فہد فدا حسین، اسامہ صدیقی، آسیہ جاوید احمد شیخ، اسداللہ، انس ظفر ☆ اسلام آباد: فرحین، محمد حمزہ ذاکر ☆ تلہ گنگ: احمد مجتبیٰ علی ☆ گھوٹکی: سعدیہ سحر عبدالستار ☆ ساہیوال: خدیجۃ الکبریٰ ☆ بھکر: سمیرا زاہد ☆ حیدرآباد: فجر جاوید علی ☆ خانیوال: خرم شہزاد ☆ میرپور خاص: فیضان احمد خان ☆ راولپنڈی: محمد شہیر یاسر۔

۱۳ درست جوابات بھیجنے والے محنتی نونہال

☆ کراچی: محمد اختر حیات خان، محسن محمد اشرف، بہادر شاہ ظفر، عمیر رفیق، غلام مصطفیٰ، زارا ندیم ☆ راولپنڈی: ملک محمد احسن ☆ سکھر: سمیہ وسیم شیخ ☆ میرپور خاص: مریم گھنیان ☆ گجرات: آمنہ بتول ☆ میرپور ماتھیلو: آصف بوزدار۔

۱۲ درست جوابات بھیجنے والے پُر امید نونہال

☆ کراچی: رمیشہ زینب عمران حسین، محمد جلال الدین اسد، احسن محمد اشرف، فصل قیوم خان، علیشاہ علی رضا ☆ حیدرآباد: مناہل فاطمہ عامر علی صدیقی، شیر دنیہ ثناء، منیبہ چودھری ☆ فیصل آباد: یسریٰ حسین ☆ بہاول پور: مائرہ حنیف ☆ ٹھیاری: بشریٰ منعم مینگل۔

۱۱ درست جوابات بھیجنے والے پُر اعتماد نونہال

☆ کراچی: ایم اختر اعوان، بے بی اینان، محمد حسان عمران، احمد عارنی، اریشہ صدیقی، حسن رضا قداری، فضل ودود خان، محمد معین الدین غوری، صفی اللہ، محمد ادریس، احتشام شاہ فیصل، احمد حسن، طاہر مقصود۔ ☆

بلاعنوان کہانی کے انعامات

ہمدرد نونہال ستمبر ۲۰۱۵ء میں محترمہ اُمِ عادل کی بلاعنوان انعامی کہانی شائع ہوئی تھی۔ اس کہانی کے بہت اچھے اچھے عنوانات موصول ہوئے۔ کمیٹی نے بہت غور کر کے تین اچھے عنوانات کا انتخاب کیا ہے، جو مختلف جگہوں سے نونہالوں نے بھیجے ہیں۔ تفصیل درجِ ذیل ہے:

۱۔ وہ سُدھر گیا : شازیہ انصاری، کراچی

۲۔ کایا پلٹ : صباحت گل، بہاول پور

۳۔ سبق مل گیا : سمیہ وسیم شیخ، سکھر

چند اور اچھے اچھے عنوانات

مشکل گھڑی۔ سزا مل گئی۔ قدرت کا سبق۔ معصوم ناشکرا۔ زندگی بھر مسکرائی
غلطی کا احساس۔ ناشکری کی سزا۔ ناشکری کا انجام۔ صبح کا بھولا

ان نونہالوں نے بھی ہمیں اچھے اچھے عنوانات بھیجے

☆ کراچی: طلحہ سلطان شمشیر علی، محمد معین الدین غوری، رمشا ظفر، ا۔ ع، سویلہ سعود، طلحہ نور حسن، ناعمہ ذوالفقار، خضریٰ بتول، تابندہ آفتاب، مومنہ خالد، صفورا نثار، محمد آصف اعوان، محمد احمد عارفی، حسن رضا قادری، عبدالسمیع محمد ایوب، سیدہ طیبہ فاطمہ، کنز ایمان، راحم فرخ خان، طاہر مقصود، محسن محمد اشرف، حفی الدین امین اللہ، محمد فہد الرحمٰن، کامران گل آفریدی، محمد رضوان ملک

امان اللہ، فضل عبدالودود، سیدہ ثانیہ بتول، محمد عثمان عمران، محمد احمد رضا، ابرار حسن، مہیرا حسین، محمد علی منیر خان، رضی اللہ خان، سیدہ اریبہ بتول، رباب خٹک، ملیحہ عابد، عمیر بن سلمان، محمد شافع، اسد اللہ، مسکان فاطمہ، آسیہ جاوید احمد شیخ، محمد سعد محمد سلیم، سمیعہ توقیر، محمد سعد افراہیم خان، انعم صابر، عبدالرحمٰن فاروقی، بشریٰ منج، عبدالودود، سندس آسیہ، محمد خزیفہ الطاف، شانزہ حسن، محمد منعم یوسف، شیر حیدر مغل، سیدہ وجیہہ ناز، سہیل احمد بابوزئی، معاذ اسحاق، محمد حسن نوید، طہورا عدنان، محمد عبداللہ، شاہ بشریٰ عالم، فہد فدا حسین، لیاہ اعجاز، مریم سہیل، ایم اختر اعوان، سید ولید حسن، مریم حسن خان، تفشالہ علاء الدین، اسریٰ خان، اسامہ ملک علاء الدین، محمد علی عمران، اسامہ صدیقی، محمد ابراہیم، ، ماریہ سلیم محمود، مریم بنتِ علی، اسما ارشد، امبر محمد موسیٰ، رمیشہ زینب عمران حسین، عبدالرحمٰن اظفر، عمیر رفیق، محمد جہانگیر عباس جوئیہ، صالحہ کریم، علینا اختر، کومل فاطمہ اللہ بخش، مصامص شمشاد غوری، محمد جلال الدین اسد، فضل قیوم خان، بہادر شاہ ظفر، محمد اویس، احتشام شاہ فیصل، احسن محمد اشرف، بلال خان، محمد اختر حیات خان، عثمان خان، محمد وقاص، احمد حسین ☆ **لاہور:** چوہدری امتیاز علی، حافظہ انشرح خالد بٹ، عبدالجبار رومی انصاری، عطیہ جلیل، ماہین صباحت، اُمِ ہانی معین، وہاج عرفان، منیحہ عدن ☆ **راولپنڈی:** عدنان خان، محمد شہیر یاسر، علی حسن، محمد شہیر، جویریہ طارق، عابد علی، رومیسہ زینب چوہان، وجیہہ حیدر اعوان ☆ **حیدر آباد:** حشام الدین، رمیصاء حزب اللہ بلوچ، اقراء عبدالوحید شیخ، شیرونیہ ثنا، حفصہ فہیم الدین شیخ، بی بی سمیرا بتول اللہ بخش، عائشہ ایمن عبداللہ، حبیبہ چوہدری، کنز النساء، مریم کاشف، حیان مرزا، فائز احمد صدیقی ☆ **چکوال:** محمد عبداللہ منیر، عاطف ممتاز ☆ **اسلام آباد:** ثمن زاہد، عنیزہ ہارون، زوہیا اعوان، محمد حمزہ ذاکر، لائبہ جواد، فرحین، حمنا احمد ☆ **میر پور خاص:** فریحہ فاطمہ، شہزیم راجا، نمرہ جعفر،

شگرف خالد، فیضان احمد خان، مبشرہ فاطمہ، سارہ اسماعیل، بلال احمد، محمد توقیر، مریم کھٹیان ☆**بہاول پور:** ثمن ضیا، احمد ارسلان، ایمن نور، قرۃ العین عینی، مارہ حنیف، محمد شکیب مسرت، عائشہ خالد ☆**پسنی، مکران:** سسی بخی، شلی بخی، شیراز شریف ☆ **بے نظیر آباد:** اطہر وجہ عدنان، فروا سعید خانزادہ ☆**سکھر:** فلزا احمد، بشریٰ محمد محمود شیخ ☆**کوٹلی:** اشمہ نیاز، زرفشاں بابر ☆**فیصل آباد:** حافظہ نایاب گوہر، زینب ناصر، یسریٰ حسین، اصفی کمبوہ ☆**نواب شاہ:** ارم بلوچ محمد رفیق، شاہ میر عباسی، فائزہ ایوب ☆**لاڑکانہ:** صنم حضور ابڑو، معتبر خان ابڑو ☆**پشاور:** حانیہ شہزاد، محمد حمدان ☆**اٹک:** عفرا انجم، اقراء انجم ☆**ملتان:** مجتبیٰ محمد مرتضیٰ اکمل، ایمن فاطمہ ☆**تلہ گنگ:** علیشہ نور ☆**ٹوبہ ٹیک سنگھ:** سعدیہ کوثر مغل ☆**ڈیرہ غازی خان:** رفیق احمد ناز ☆**ٹمیاری:** بشریٰ منعم مینگل ☆**بہاول نگر:** طوبیٰ جاوید انصاری ☆**بھکر:** سمیرا زاہد ☆**جہلم:** ایمان شاہد، راجا راشد ☆**قصور:** نور الہدیٰ علی ☆**رحیم یار خان:** مناہل جاوید ☆**ساہیوال:** عمارہ عروج ☆**حاصل پور:** امامہ عاکفین ☆**جھنگ:** علی حیدر ☆**میر پور ماتھیلو:** آصف بوزدار ☆**ننکانہ صاحب:** ملائکہ نورین قادری ☆**واہ کینٹ:** محمد ابراہیم ☆**نوشہرو فیروز:** نازیہ ابراہیم پُھل ☆**اوتھل:** ثروت جہاں ☆**ڈگری:** محمد طلحہ مغل ☆**خوشاب:** محمد قمر الزماں ☆**گھوٹکی:** سعدیہ سحر ملک عبدالستار ☆**میانوالی:** لاریب رومان فاطمہ ☆**نوشہرہ:** ابدال شفقت ☆**گجرات:** منزہ بتول ☆**مری:** اسامہ ظفر راجا ☆**وہاڑی:** ڈاکٹر شہزاد قادر اویسی ☆**ڈیرہ اللہ یار:** آصف علی کھوسہ ☆**ٹھارو شاہ:** شایان آصف خانزادہ راجپوت ☆**مظفر گڑھ:** پرنس سلمان یوسف سمیجہ ☆**بیلا:** محمد الیاس چنا ☆**نواب شاہ:** طیب محمود ☆**ہری پور:** محمد سیف اللہ آصف ☆**سانگھڑ:** علیزہ ناز منصوری ☆**شیخو پورہ:** محمد احسان الحسن۔

☆☆☆

نونہال لغت

لفظ	تلفظ	معنی
آہ وزاری	آ ہو زَ ا رِ ی	رونا پیٹنا۔ چیخ پکار۔ واویلا۔ نالہ وفریاد۔
اسیر	اَ سِ یْ ر	قیدی۔ پابند۔ عاشق۔
ایثار	اِ یْ ثا ر	دوسروں کے فائدے کی خاطر خود نقصان اُٹھانا۔
اول فول	اَ وْ لْ فَ وْ ل	بے ہودہ باتیں۔ گالی گلوچ۔ لغویات۔
برق	بَ رْ ق	بجلی۔ وہ روشنی جو بادلوں کی رگڑ سے پیدا ہوتی ہے۔
اطلاق	اِ طْ لا ق	عائد ہونا۔ رواں کرنا۔ کہنا۔ جاری کرنا۔ بولا جانا۔ استعمال ہونا۔
تند	تُ نْ د	تیز۔ غضب ناک۔ سخت۔ تتیا۔ تلخ۔ کڑوا۔
حرج	حَ رَ ج	نقصان۔ کمی۔ ضرر۔ تنگی۔ سختی۔ دیر۔
روہانسا	رُ وْ ہا نْ سا	آنسو بھر لانے والا۔
سکت	سَ کَ ت	طاقت۔ قوت۔ توانائی۔
کھرا	کھَ رَ ا	خالص۔ بے میل۔ نہایت اچھا۔ نفیس۔ اصلی۔ پاک۔ بے ریا۔ سچا۔ صادق۔ صاف گو۔ لین دین کا صاف۔ منصف مزاج۔
مسوس	مَ سو س	مروڑ۔
عدم	عَ دَ م	نہ ہونا۔ کسی بات کا نہ ہونا۔ غیر حاضر۔ کسی چیز کا پاس نہ ہونا۔
طاری	طا رِ ی	چھانے والا۔ غالب آنے والا۔ ظاہر ہونے والا۔
مضحکہ	مُ ضْ حَ کہ	ہنسی۔ ٹھٹھا۔ تمسخر۔
لطافت	لَ طا فَ ت	عمدگی۔ خوبی۔ نرمی۔ ملائمت۔ مزہ۔ ذائقہ۔ لذت۔
نظم ونسق	نَ ظْ مْ و نَ سْ ق	بندوبست۔ انتظام۔ حکومت کا قاعدہ۔